نایاب جیلانی

سنہری دھوپ کا موسم

اتنا بڑا بنگلہ نما یہ مکان آرٹسٹک ذہن رکھنے والے آرکیٹکچر ــــ اور محنت کش معماروں کی ذہانت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ بہت وسیع 'سرسبز و شاداب گھاس سے سجالان نما صحن ــــ جس کی تینوں بیرونی دیواروں کے ساتھ شاہ بلوط' زیتون' جوت 'بڑکے درخت' ناریل 'شہتوت اور صندل کے گھنے اونچے درخت شان سے کھڑے تھے۔

لوہے کے پھاٹک کے سامنے بنی بنفشی 'پتھریلی روش کے اردگرد موتیا' گیندا' گل لالہ' گل بنفشہ' کوکنار' گل خیر' گل داؤدی کے پودے ایک قطار میں ترتیب سے لگائے گئے تھے۔ گول برآمدے کے بائیں جانب باغیچے کے عین وسط میں اخروٹ کی لکڑی کا منقش جھولا تھا۔ موتیا کے پھولوں سے لدے پودے کے دائیں جانب لوہے کی ارغوانی پینٹ شدہ دو کرسیاں آمنے سامنے رکھی تھیں۔

بھاری مخملی پردے کو دو انگلیوں سے پکڑے وہ تھکی تھکی نظروں سے نیم تاریکی میں درختوں کے جھنڈ کو بغور دیکھتے ہوئے آخری سرسری سی نظر سے لان کا جائزہ لینے کے لیے قدرے رخ موڑ کر کھڑی ہوئی تو اس کا دل لحہ بھر کے لیے دھک سے رہ گیا۔

منقش جھولا اس وقت جگمگ کرتی اس بے تحاشا دودھ جیسی سفید عورت کے وجود سے جگمگا اٹھا تھا۔ کم از کم رخشندہ نے اپنی اب تک کی زندگی میں ایسا حسن اور اس قدر تازگی و تابناکی نہیں دیکھی تھی۔ سفید

لباس میں اس کی گلابی مائل سفید رنگت چمک رہی تھی۔ سفید موتیا کے پھولوں کے گجرے ہاتھوں اور کانوں میں پہن رکھے تھے۔ اس کے بال بے تحاشا لمبے اور چمکیلے تھے اور اس نے بڑی نزاکت سے انہیں اکٹھا کرکے دائیں شانے پر منتقل کیا تھا۔

"نجانے کون ہے حیام کی کوئی کزن یا پھر۔" وہ سر جھٹک کر اس حسین عورت کے سحر سے خود کو آزاد کرنے کی سعی کرنے لگی۔ اس کی نظریں بے ساختہ بھٹک کر منقش جھولے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ رخشندہ نے پردے کو پکڑے پکڑے سر گھما کر دیوار پر لگے کلاک کی طرف دیکھا اور ایک مرتبہ پھر اس کا دل گویا دھڑکنا بھول گیا۔ چار بجنے میں صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے، دور کہیں موذن فجر کی اذان سے پہلے درود پاک کا ورد کرنے لگا تھا۔

رات بیت چکی تھی۔ کچھ ساعتوں بعد صبح کی سپیدی نے نمودار ہو جانا تھا۔ رخشندہ نے پوری رات اس کھڑکی میں کھڑے سوچتے گزار دی تھی۔ درختوں، پھولوں، پودوں اور اس ستائیس اٹھائیس سالہ عورت کو دیکھتے اور سوچتے وہ لمحہ بھر کو بھول چکی تھی کہ وہ اس وقت کہاں کھڑی ہے؟

اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ پیروں میں گویا ورم آ گیا تھا اور سر بھی درد سے پھٹنے لگا تھا۔ آنکھیں الگ جل رہی تھیں۔ بھاری لہنگا سنبھال کر بمشکل سج سج چلتے ہوئے سامنے لگے آئینے کو دیکھ کر وہ کچھ پل کے لیے ٹھٹک کر رک گئی۔

خلاف معمول اس بار سنگھار اور بھاری زیورات نے اسے بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ گاجنی جیسی رنگت میں کھلی کلائیاں بھی میک اپ کی مرہون منت تھیں۔ چھوٹی سی ناک میں لونگ چمک رہی تھی اور ہلکی بھوری آنکھیں خوشنما خوابوں کے بوجھ سے گلابی تھیں۔

وہ بہت حسین نہیں تھی۔ قبول صورت، درمیانے قد اور صاف رنگت والی معمولی سی لڑکی تھی۔ اس کا تعلق سفید پوش گھرانے سے تھا۔ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی مگر نہ تو وہ بھائیوں کی لاڈلی تھی اور نہ ہی بھابھیوں کی دلاری۔

اماں اور ابا نے اسے بے تحاشا محبت دی تھی مگر ان کی زندگی کے بعد رخشندہ پر بھی زندگی کے دروازے تنگ ہوتے چلے گئے تھے۔

یہ اس کی خوش نصیبی ہی تھی جو اس نے جیسے تیسے ہی سہی اکنامکس میں ماسٹرز کر لیا تھا۔ حالانکہ اس کی بھابھیوں نے حتی المقدور کوشش کی تھی کہ وہ نہ ہی پڑھ سکے۔ اس کوشش کے نتیجے میں انہوں نے بہت سے مسائل کے پہاڑ بھی کھڑے کرنا چاہے تھے مگر بھیا کی مہربانی سے وہ اپنی اس واحد خواہش کو پورا کر چکی تھی۔

وہ چاروں بھابھیوں کی مشترکہ ہیلپر (مددگار) تھی۔ مہذب لفظوں میں ہیلپر کہنا ہی مناسب ہے ورنہ دوسرے الفاظ میں میڈ (خادمہ) بھی کہا جا سکتا ہے۔ بیک وقت اسے سب کی خدمت کے لیے خود کو تیار رکھنا پڑتا تھا۔ کسی بھی وقت اوپر، نیچے، دائیں، بائیں کسی طرف سے بلاوا آ سکتا تھا۔

رخشندہ کے ابا واپڈا میں ملازم تھے۔ انہوں نے بیٹوں کی تعلیم پر خوب توجہ دی تھی۔ اس کے چاروں بھائی تعلیم یافتہ تھے اور اچھے اداروں سے منسلک تھے۔ وہ اچھے خاصے خوشحال تھے مگر اس کے باوجود اماں نے سرکاری ہسپتال میں ہمیشہ کے لیے آنکھیں موندی تھیں۔

سب سے بڑے راحیل بھائی تھے۔ پھر عقیل، شرجیل اور تنزیل بھائی تھے۔ رخشندہ کا نمبر آخری تھا اور اس کے بھائیوں نے اپنی بیویوں اور بچوں کی ترتیب میں بھی اسے آخری نمبر پر رکھا ہوا تھا۔

اس کی زندگی عام لڑکیوں سے مختلف نہیں تھی۔ پورا دن کاموں کے گرد گھومتے ہوئے رات کی آغوش میں سو جاتا تھا مگر رخشندہ کی رات بارہ، ایک بجے کے بعد شروع ہوتی تھی۔ یعنی اسے سونے کے لیے بار

...تھیں۔ چونکہ وہ گھر کی پہلی اور بڑی بہو تھیں۔ سو انہوں نے از خود اپنے "بڑے پن" کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ وہ گھر پر اپنا راج چاہتی تھیں ان کی چھوٹی بہن رومانہ بھی جو کہ خیر سے چھوٹے بھائی کی زوجہ محترمہ تھیں، اپنی آپا کی ہم خیال تھیں۔ ...یہ بھابھی کو یہ دونوں کسی گنتی میں شمار نہیں کرتی تھیں۔ ناعمہ بھابھی، بڑی بھابھی کی خالہ زاد بہن تھیں سو ان تینوں کے مزاج میں قطعاً "فرق نہیں تھا۔ اکثر چاروں کی آپس میں تلخ کلامی معمول کی بات تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر بھڑک کر دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد پھر سے معمول کی طرح راز و نیاز ہونے لگتے تھے۔ اکثر موضوع گفتگو اکلوتی نند ہوتی۔ جس کی شادی چاروں بھابھیوں کے لیے مسئلہ کشمیر بنی ہوئی تھی۔ اپنی بائیس سالہ کانچ سی نند انہیں بیالیس سالہ ادھیڑ عمر عورت دکھنے لگی تھی۔ جس سے جلد از جلد چھٹکارا پانا ان کی اولین آرزو تھی۔

بڑی بھابھی رخشندہ کو جلد از جلد اس لیے ٹھکانے لگانا چاہتی تھیں۔ کیونکہ ان کی لائبہ رخشندہ سے صرف ایک سال چھوٹی تھی اور قد کاٹھ میں وہ اپنی نازک سی پھوپھی سے دو تین سال بڑی دکھائی دیتی تھی۔ انہیں رخشندہ کو بھگتا کر اپنی لاڈلی کے لیے بھی سوچنا تھا سو اسی لیے وہ وقتاً فوقتاً "نوراں آپا کی خدمات حاصل کرتی رہتی تھیں۔

"رخشی! آپا کے لیے گاجر کا حلوہ اور دودھ پتی بنا کر لے آؤ۔" نوراں آپا کو دیکھتے ہی نوشابہ پرجوش ہو جاتی تھیں۔

"نہ، میں نہیں چائے پی کر کلیجہ ساڑتی۔ دودھ میں روح افزا ڈال کر لانا رخشندہ!" آپا بے تکلفی سے ہانک لگاتی تھیں۔

"آج تو تمہارا دل خوش ہو جائے گا نوشابہ!" وہ جگ اور گلاس ٹرے میں سجائے اندر داخل ہوئی تو نوراں آپا کھلی کھلی مسکراہٹ سجائے کہہ رہی تھیں۔

ہی بھتیجے کے لیے کوئی سید ھی سادی شریف اور اچھے گھرانے کی لڑکی ڈھونڈ رہی ہے۔ میں نے رخشندہ کا نام لے دیا۔ سیرت بھی اعلا اور صورت بھی بے مثال۔ تم راحیل سے مشورہ کر لو۔ وہ دھوم دھام اور شور و غوغا نہیں چاہتے۔ بس سادگی سے نکاح کریں گے۔ دو چار لوگ آئیں گے۔ ویسے بھی توقیر بیگم (حیام کی پھوپھی) بہت مذہبی خاتون ہیں۔ پردے کی پابند، شرعی طریقے سے سنت کے مطابق نکاح کریں گے۔ جہیز وغیرہ کی انہیں طلب نہیں۔" نوراں آپا باقی تفصیلات اسی جوش و خروش سے نوشابہ کے گوش گزار کر رہی تھیں۔

"راحیل کی طرف سے ہاں ہی سمجھو آپا! وہ جلد از

جلد رخشندہ کے فرض سے سبک دوش ہونا چاہتے ہیں۔" بھابھی پر اس کی شادی کر دینے کی دھن سوار تھی۔ ان کی اپنی اولاد بھی جوان ہو چکی تھی۔ سو اس جلد بازی میں انہوں نے سرسری سی چھان پھٹک کے بعد متفقہ طور پر ہاں کر دی۔

اور باقی کے معاملات بہت تیزی سے نپٹتے چلے گئے تھے جس کے نتیجے میں آج وہ اس پراسرار گھر کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ یہ گھر اور اس کے مکین بے حد پراسرار تھے۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے جو وہ ایک عجیب سا خوف محسوس کر رہی تھی۔ یہ خوف اس وقت شدت اختیار کر گیا تھا جب اس نے لاؤنج میں کھلنے والی کھڑکی سے ایک عجیب، بے حد عجیب منظر دیکھا۔

داخلی دروازے کے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ ایک پچیس سال کا خوبرو نوجوان باہر نکلا۔ اس نے پیچھے مڑ کر کمرے کا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں آنکھیں موندے چلا جا رہا تھا۔ رخشندہ کا دل گویا سکڑ کر سمٹنے لگا۔ ایک خوف کی برقی لہر نے اس کے پورے وجود کو جھٹکے لگانے شروع کر دیے تھے۔ اس کا عروسی لباس لمحہ بھر میں پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔ پورے وجود پر گویا لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

اس کے کمرے کی ایک کھڑکی لان کی طرف کھلتی تھی اور دوسری لاؤنج میں۔ وہ اس وقت لاؤنج میں کھلنے والی کھڑکی کا پردہ ہاتھ میں دبوچے کھڑی تھی اور اس کی نظروں نے پھر سے ایک عجیب اور انوکھا منظر دیکھا۔

وہ نوجوان آنکھیں موندے چلتا ہوا لان کی طرف جانے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا گویا وہ نیند کی حالت میں چل رہا ہے۔ اسی پل تنگ سی گیلری کے جالی دار دروازے کو کھول کر وہ حسین و جمیل عورت اندر داخل ہوئی۔ وہ عورت بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس نوجوان تک پہنچ گئی تھی۔ وہ عورت لالہ رخسار تھی۔ لالہ نے اس نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر جانے سے روک لیا تھا۔ اس نوجوان کی آنکھیں بند تھیں۔ اب وہ ایک تراشے ہوئے مجسمے کی طرح کھڑا تھا۔ لالہ اس کا ہاتھ پکڑے ایک اور کمرے کی طرف بڑھ [illegible] لگ رہا تھا گویا وہ عورت ایک کیف آگیں، ایک سرور بھری خواب کی کیفیت میں ہے۔ اس کا چہرہ جوش و جذبات سے دہک رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا وہ اپنے ساتھ ایک قیمتی خزانے کو لے کر جا رہی تھی اور وہ خوبرو نوجوان ایک معمول کی طرح اس عورت کے ساتھ آنکھیں موندے چل رہا تھا۔ لالہ پراسرار انداز میں مسکرا رہی تھی۔ وہ نوجوان بھلا کون تھا؟

"حیام واثق ـــ" اس کا دل گویا وحشت کے عالم میں چلا اٹھا۔ اور وہ بھاری عروسی لباس کی پروا کیے بغیر ٹھنڈے ٹھار فرش پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

اس گھر میں داخل ہونے کے بعد یہ پہلی قیامت تھی۔ جو اس کے دل پر اچانک برپا ہوئی۔

اس گھر سے لے کر اس گھر تک اس نے عذاب ہی عذاب تو دیکھے تھے۔ خوابوں کا ذائقہ تو چکھا ہی تھا۔ مگر اس لمحے گویا ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔ اس کی [illegible] اور اس کا دل ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ عزت و وقار کی دھجیاں بکھر گئی تھیں۔ اس کے دل میں صف [illegible] بچھی تھی۔ اس کا شوہر شب عروسی کا ایک ایک لمحہ کسی اور کی جھولی میں ڈال رہا تھا۔ ٹھنڈے [illegible] سے لپٹ کر تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے اس کی آنکھیں خون بہا رہی تھیں۔

اور وہ درد کی آخری منزل کو چھوتے ہوئے اس [illegible] کے پہلے گھاؤ کو یاد کر رہی تھی جب اس کے [illegible] آنگن سے پیاری اماں کا جنازہ اٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

کئی راتوں کی جاگی ہوئی آنکھیں نجانے کب خود بند ہو گئی تھیں۔ اماں کی بیماری سے لے کر [illegible] تک کا عرصہ وہ ننگے پاؤں ہی تو چلتی رہی تھی۔ جاگ جاگ کر تھکی تھکی ان آنکھوں میں [illegible] پڑے تھے۔

مہمانوں سے بھرا گھر آہستہ آہستہ خالی [illegible] سب لوگ گھڑی دو گھڑی افسوس کے [illegible] کی طرف لوٹ گئے تھے۔ جانے والوں کو بالآخر لوٹنا ہی تھا۔

عجیب سی دھاڑ نما آواز پر اس کی بند آنکھیں ایک دم کھل گئیں۔ کچھ دیر تو اس کے حواس ہی قابو میں نہیں آئے تھے۔

پھر رخشندہ نے پھرتی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔ سامنے لائبہ کھڑی تھی۔ ناک چڑھائے۔

"وہ کب سے دروازہ بجائے جا رہی ہوں۔ اتنی گہری نیند میں سوئی تھیں کیا۔" لائبہ نے ہنوز بگڑے لہجے میں جتا کر کہا۔ یہ رخشندہ کی سب سے بڑی بھتیجی تھی۔ عمر میں اس سے کچھ ہی چھوٹی۔ مگر پھر بھی پھوپھو کہنے کی زحمت گوارا نہیں کرتی تھی۔

"وہ بس آنکھ لگ گئی تھی۔" وہ شرمندہ ہو کر رہ گئی۔

"زرگون غنی صاحب تشریف لائے ہیں۔ ماما کہہ رہی ہیں۔ ذرا کچن کو رونق بخشیے۔" لائبہ کا انداز تحکم بھرا تھا۔ وہ کچھ چونک گئی۔

اونچی لمبی سنہری رنگت اور نیلی آنکھوں والی لائبہ [illegible] دیکھنے والی تھی۔

"بھابھی سے مینیو کا بھی پوچھ آئیں؟" رخشندہ [illegible] سلیپر پیروں میں اڑسے اور باہر نکل آئی۔

"چکن کے علاوہ کچھ بھی بنا لو۔ دادو کے دسویں تک [illegible] ہی پکتا رہا ہے۔ اب تو مرغی کے نام سے بھی چڑ ہو [illegible] ہے۔ مٹن، چائنیز رائس، اٹالین سیلڈ اور کھیر [illegible] کے ورق سے سجی۔" لائبہ نے پوروں پر گنتا [illegible] کیا تو رخشندہ کھیر پر پریشان ہو گئی۔ باقی سب تو [illegible] تھا مگر کھیر کے لیے تو اڑھائی، تین گھنٹے سے بھی [illegible] وقت چاہیے تھا۔ مینیو سن کر ہی اس پر تھکن [illegible] ہی تھی۔

"کھیر کے بجائے ٹرائفل بنا لیتی ہوں۔" اس نے [illegible] سے کہا۔

"ہائے کیوں؟ غنی کو ٹرائفل نہیں کھیر پسند ہے؟" [illegible] توقع کے عین مطابق لائبہ چیخ پڑی۔

"اماں کا افسوس کرنے آیا ہے یا پھر دعوت [illegible]" رخشندہ کو بھی ایک دم سے غصہ آگیا۔ اب

لیکن چار و ناچار [illegible] کے ساتھ بیٹھے تھے۔ [illegible] سب سے وقت طلب کام یعنی کھیر پکانا آسان تھوڑی تھا۔ مگر آرڈر پاس کرنے والے ان باتوں کی طرف دھیان کہاں دیتے تھے۔

"افسوس اپنی جگہ، اب کیا اس نے بھوکا مرنا ہے۔ ویسے بھی پردیس سے آیا ہے۔ جہاز سے اتر کر سیدھا ادھر ہی گیا تھا۔"

لائبہ ہمیشہ کی طرح برا مان گئی۔ رخشندہ نے بمشکل ضبط سے کام لے کر کچن کا رخ کیا تھا۔ بھابھی کے میکے والوں کی تعزیت اور افسوس کا حال تو وہ دیکھ ہی چکی تھی۔ سوائے کھانے پینے کے کوئی دوسرا کام انہیں آتا ہی کہاں تھا۔ دسویں تک ان لوگوں نے ادھر ہی ڈیرا لگائے رکھا تھا۔ سارا دن شربت، دودھ سوڈا اور بوتلیں ہی چلتی رہتی تھیں اور رخشندہ تن تنہا مہمانوں کی اس فوج کو بھگتاتے ہوئے تھک چکی تھی۔ اس نے شکر کیا تھا کہ گھر مہمانوں سے خالی ہوا ہے اور اب غنی صاحب کی آمد کا اعلان ہو چکا تھا۔

غنی کی میزبانی کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بلا کا نخریلا اور موڈی تھا۔ ابھی اسے فرنچ آملیٹ چاہیے ہوتا اور کچھ دیر بعد وہ فرائی انڈے کی فرمائش کر دیتا۔ چائے کے بعد ملک شیک مانگ لیتا اور کبھی آئس کریم کھا کر اسے کافی کی طلب ہونے لگتی تھی۔

اس وقت بھی رخشندہ کلاک کی طرف دیکھنے کے بعد کام میں جت گئی تھی۔ باقی سب تو ہو گیا تھا۔ کوکر میں گوشت بھی گل گیا۔ چاول بھی تیاری کے قریب قریب پہنچ گئے تھے۔ سیلڈ بھی فریج میں رکھ دیا تھا۔ البتہ کھیر ابھی چولہے پر رکھی تھی۔

وقت تنگ تھا۔ دو بجے تک میز پر کھانا ہر صورت لگانا ہوتا تھا اور ابھی روٹی بھی نہیں بنائی تھی سو وہ کچھ سوچ کر آنچ دھیمی کیے آسیہ بھابھی کے پورشن میں چلی آئی تھی۔ کچھ سال پہلے برابر کے دو پلاٹ مزید خرید کر بھائیوں نے اپنے اپنے پورشن الگ کر لیے تھے۔ رخشندہ بڑی بھابھی کے ساتھ ہی رہتی تھی تاہم ضرورت کے وقت اسے چاروں طرف سے پکار لیا جاتا

تھا۔

ان کی ملازمہ کشور کو تندور سے روٹی لانے کو کہا اور بھاگتی ہوئی اپنے پورشن میں آ گئی۔ وہ کچن میں پہنچی تو لائبہ کو موجود دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کہاں گئی تھیں؟" لائبہ بھلا تفتیش کیے بغیر رہ سکتی تھی۔

"بھابھی کی طرف۔" وہ مختصر بتا کر کھیر میں کفگیر چلانے لگی۔ اللہ کا شکر تھا۔ کھیر لگنے سے بچ گئی تھی۔

"مٹن تو بہت اچھا بن گیا ہے۔" وہ علاوتاً دو تین بوٹیاں چکھ کر بیٹھی تھی۔ "ویسے یہ کھیر اتنی جلدی ٹھنڈی نہیں ہو گی۔ نکال کر فریزر میں رکھ دینا۔ رات کو کھائیں گے۔"

"بتانے کا شکریہ۔" رخشہ کلس کر بولی۔

"ویسے چاچی کی طرف کیا کرنے گئی تھیں؟"

"تم ایک کام کرو گی؟" رخشہ اس کا سوال نظر انداز کر کے تحمل سے بولی۔

"میں نے ٹیبل پہ برتن نہیں لگانے۔" وہ فوراً بدک کر پیچھے ہٹی۔

"نہیں' یہ میں خود کر لوں گی۔" اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا۔

"تو پھر؟"

"تم ذرا دیر کو کچن سے باہر چلی جاؤ۔"

"جاتی ہوں۔" لائبہ کو غصہ آ گیا۔ "ماما کہہ رہی ہیں کھانا جلدی سے لگا دیں۔۔۔ کب سے کچن میں گھسی ہیں اور ابھی تک میز خالی پڑی ہے۔" وہ دل جلانے والی مسکراہٹ سجا کر باہر نکل گئی تھی۔ جبکہ رخشہ کا میٹر گھوم کر رہ گیا۔

"کچن میں گھس کر آرام فرما رہی ہوں۔ اسی لیے ابھی تک میز خالی پڑی ہے۔" وہ سلگتے ہوئے شو کیس سے برتن نکال کر میز پر رکھ رہی تھی۔ اسی پل کشور بھی آ گئی۔

"یہ لو باجی! پوری آٹھ روٹیاں ہیں۔"

"شکریہ کشور! تمہیں نیند سے جگایا ہے۔" اس کی آنکھوں میں واضح تشکر تھا۔

"کوئی بات نہیں باجی! شکریہ کیسا۔" رخشہ میز پر کھانا لگا کر ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔ غنی جو زور و شور سے کسی بحث میں الجھا ہوا تھا اسے اندر آتا دیکھ کر ایکدم چپ ہو گیا۔

"اس گھر میں مہمانوں سے ملنے کا کوئی رواج نہیں۔" اس کا خاموش رہنا صرف چند سیکنڈ پر محیط ہوتا تھا اور جب وہ بولنے لگتا تھا تو پھر اسے کوئی چپ کروانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"رخشہ سو رہی تھی۔ اسے خبر نہیں ہوئی تھی کہ تم آئے ہو۔" نوشابہ نے مسکرا کر جھوٹ بولا تھا اور وہ مزید اسے بولنے کا موقع فراہم کیے بغیر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"غنی! پہلے کھانا کھا لو۔"

"آپ تو کہہ رہی تھیں' رخشہ سو رہی ہے۔ پھر یہ کھانا کس جن نے فٹافٹ بنا دیا۔" وہ بھی تو غنی تھا۔ بال کی کھال اتارنے والا رخشہ سلاد کی پلیٹ اٹھائے کھانے والے کمرے میں داخل ہوئی تو غنی کی آواز سن کر پل بھر کے لیے اس کے قدم رک گئے تھے۔

"کیا لائبہ نے کوکنگ کی کلاسز لینا شروع کر دی ہیں۔" ایسے ناک کرووار کرتا تھا کہ اگلے بندے کو بولنے کی یا کچھ وضاحت دینے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔

"ایسی امید تو نہیں نظر آتی۔" اسے بھگو بھگو کر مارنے کی عادت تھی۔ آخر کس پھوپھی کا لاڈلا اکلوتا بھتیجا تھا۔

"اب لائبہ کوکنگ میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ ابھی کل اس کے پاپا خاتون کا دسترخوان لائے تھے۔" نوشابہ نے بات سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

"کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔" وہ دائیں بائیں نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "لائبہ انڈا ابال لے' یہی بہت بڑی بات ہے۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" رخشہ کے سامنے نوشابہ جز بز ہو کر رہ گئی تھیں۔ "تم کھانا تو کھاؤ۔" وہ ابھی تک میز پر دونوں ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔

نوشابہ نے اسے کھانے کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

"میں اتنا ہیوی لنچ نہیں کروں گا۔ ابھی دو گھنٹے ہوئے ہیں جہاز سے اترے ہوئے۔ معدہ چونکہ میرا اپنا ہے۔ سو میں اس پر ظلم نہیں کر سکتا۔"

وہ کچھ لپٹی رکھنے کا قائل ہرگز نہیں تھا۔ ہر بات فٹ سے منہ پر مار دیتا۔ چاہے اگلے بندے کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرتی۔ اسے جھوٹ اور منافقت سے نفرت تھی اور خوشامد سے سخت ترین چڑ۔

"اچھا یہ چاول تو لو۔ ہلکے سے ہیں۔" نوشابہ نے لگاوٹ سے کہا۔

"مجھے ایپل جوس بنا دیں اور بس۔۔۔" ہمیشہ والے نخرے شروع ہو چکے تھے۔ رخشہ کو شدید غصہ آ گیا۔

"جاؤ لائبہ! غنی کے لیے جوس نکال کر لے آؤ۔" نوشابہ نے کھانے کی طرف متوجہ لائبہ کو آنکھ سے اشارہ کیا تھا۔ سو وہ جھٹ سے اٹھ گئی۔ رخشہ بھی لائبہ کے پیچھے ہی کھسکنے لگی تھی جب غنی نے گردن موڑ کر اسے مخاطب کیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟ کھانا تو کھا لو۔ کیا پکا پکا کر ہی بھوک کا خاتمہ ہو گیا ہے؟" وہ غنی تھا بلا کا بے تکلف۔ بغیر جھجکے ہر بات صاف صاف کہہ دینے والا۔ جہاں رخشہ گھبرا کر پلٹی تھی۔ وہیں نوشابہ کچھ سنبھل کر بولیں۔

"رخشی! کھانا کھا لو نا۔۔۔ پھر سو جانا" بے چاری تھک ٹوٹ چکی ہے۔ ماں کی وفات کا صدمہ ہی ایسا بھاری تھا۔" انہوں نے آواز میں حتی المقدور رقت بھرلی تھی مگر غنی پر کم ہی ان لہجوں کا اثر ہوتا تھا۔

"ظاہر ہے' جس کی ماں تھی۔ صدمہ بھی تو اسی کے لیے ہو گا۔" وہ تھوڑے سے چاول پلیٹ میں ڈال کر چکھ رہا تھا مگر سارا دھیان اس کا رخشہ کی طرف تھا۔

"رخشی! کھا لو نا۔۔۔ بہت اچھا کھانا بناتی ہو۔ کبھی اپنے پکائے کھانوں کی لذت خود بھی محسوس کر لیا کرو۔"

"تم بھی تو کھا لو۔ ابھی آدھے گھنٹے بعد تمہیں زوروں کی بھوک لگ جائے گی۔" نوشابہ بھی اس کی پھوپھی تھیں۔ بھتیجے کی رگ رگ سے واقف۔ وہ جانتی تھیں۔ ٹھیک گھنٹے بعد اس نے بھوک بھوک چلانا شروع کر دینا تھا۔

"میری دلاری پھوپھو' کس قدر میری مزاج آشنا ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔ جگر جگر کرتی آنکھیں رخشہ کے گرد حصار باندھے ہوئے تھیں۔

"اچھا مسکہ نہ لگاؤ۔" نوشابہ نے لاڈ سے کہا۔ سچ تو یہ تھا۔ اپنے اکلوتے بھائی کے اس اکلوتے بیٹے سے ان دونوں بہنوں کو بے تحاشا محبت تھی۔ ان کے سب سے بڑے بھائی عرصہ دراز سے آئرلینڈ میں مقیم تھے۔ غنی ان کا آئرش بیوی میں سے اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کے بھائی اور بھابھی بہت عرصہ ہوا وفات پا گئے تھے۔ اب میکے کے نام پر صرف غنی ہی بچا تھا۔ سال میں دو مرتبہ پاکستان کا چکر لگاتا تھا۔ سو وہ دونوں بہنیں خوشی کے مارے بے حال ہو جاتی تھیں۔ نوشابہ کی خواہش تھی کہ غنی پاکستان میں شفٹ ہو جائے۔ مگر فی الحال اس کا پاکستان میں ہمیشہ کے لیے قیام کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ اکثر وہ سیاحت کے لیے دوستوں کے ہمراہ پاکستان آتا تھا۔ مگر جب بھی آتا۔ اپنی پھپھیوں سے ضرور ملتا تھا۔

"پھوپھو! لگتا ہے' آپ کی بیٹی سیب توڑنے باغ میں چلی گئی ہے۔"

"زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں۔" اسی پل لائبہ اندر داخل ہوئی۔ ہاتھ میں جگ اور گلاس پکڑ رکھے تھے۔

"ہائیں۔۔۔ تم جوس لے آئیں؟ مگر بلینڈر چلنے کی آواز تو نہیں آئی۔" غنی کے دل میں جو بات ہو' وہ بھلا کیسے دل کے اندر رہ سکتی تھی۔ یہی بات تو رخشہ بھی سوچ رہی تھی۔

"میں نے مارکیٹ سے منگوایا ہے۔ فی الحال ریڈی میڈ ملا ہے۔ بغیر نخرا کیے پی لو۔" لائبہ نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ ریڈی میڈ جوس تم خود ہی پیو۔۔۔ مجھے تو فریش جوس چاہیے۔" وہ بھی تو غنی تھا۔ ہمیشہ کا نخریلا۔ کھانے پینے کے معاملے میں تو نچ کر کے رکھ دیتا تھا۔

"تو نہ پیو میں پی لیتی ہوں۔" وہ بھنا کر بولی تھی۔ دونوں کے درمیان تکرار شروع ہو چکی تھی۔ اسی لیے بیچ میں نوشابہ کو بولنا پڑا۔

"فریج میں سیب تو رکھے ہوئے تھے۔ تم بھی ہاتھ ہلا لیا کرو۔" انہوں نے لائبہ کو ڈپٹ کر کہا۔

"رہنے دیں پھوپھو! لائبہ کی ننھی سی جان کو (خت مشکل) میں کیوں ڈالتی ہیں۔ اپنی رخشندہ ہے نا ــــ مفت میں روٹیاں توڑتی ہے۔ کوئی کام ہی کر دیا کرے۔" اس کی چمکتی آنکھوں میں ڈھیروں شرارت بھی تھی۔ ادھر نوشابہ بھی اس کے لہجے میں شرارت کو سمجھے بغیر تائیدی انداز میں بولیں۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم' جاؤ رخشندہ! تازہ جوس نکال کر لاؤ۔"

"جی ــــ" وہ جو خود ہی یہاں سے اٹھنا چاہتی تھی' اجازت ملتے ہی گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی تھی۔

لائبہ اور غنی باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ نوشابہ اپنی نیند کا کوٹہ پورا کرنے کے لیے اٹھ گئی تھیں۔ اس نے جوس نکال کر فل سائز مگ میں ڈال کر فریج میں رکھا تھا۔ اب وہ میز پر سے برتن اٹھا کر سنک میں رکھ رہی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ برتن دھو کر ہی کچن میں سے نکلے گی۔ پھر چھ بجے تک چائے کے برتن بھی اکٹھے ہو جانے تھے۔ سو وہ جلدی جلدی برتن دھو رہی تھی۔ جب اپنے بالکل پیچھے غنی کی آواز سن کر اچھل پڑی۔

"لوگ خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں۔" وہ اچک کر کچن سلیب پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ رخشندہ نے بغیر مڑے ایک دفعہ پھر برتنوں کو صابن لگانا شروع کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب غنی اسے بولنے پر مجبور کرنے کے لیے الٹی سیدھی ہانکتا رہے گا۔

"کچن میں کیا لینے کے لیے آئے ہو؟" وہ تلملا کر بولی۔

"تمہیں دیکھنے۔" غنی نے برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

"اب دیکھ لیا ہے تو پھر جاؤ۔"

"دیکھا کہاں ہے۔ رخ موڑے کھڑی ہو۔ ذرا درشن تو کروا دو۔" لہجے میں مصنوعی التجا بھری گئی تھی۔

"غنی! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس نے پلیٹ غصے سے سنک میں پٹخی۔

"اب آئی ہو' اپنے اصل رنگ میں۔" وہ گویا سرشار ہو گیا۔ "ویسے میں اتنی آسانی سے دفع نہیں ہونے والا۔"

"وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے۔ سچ سچ بتاؤ' کتنے دن کا قیام ہے؟" وہ آنکھیں سکیڑے پوچھنے لگی۔

"دن نہیں' مہینے' پورے دو مہینے شرف میزبانی بخشوں گا۔" غنی کھلکھلایا۔

"ہمیشہ کی طرح بلائے جان بن کر آئے ہو؟" اس نے گویا دانت کچکچا ڈالے۔

"تم تو یہی کہو گی۔ کبھی ذرا میری پیاری پھوپھو اور پیاری لائبہ سے ذرا پوچھنا۔ وہ تو کہیں گی۔ میں ہمیشہ کے لیے یہیں رہ جاؤں۔" وہ دلار سے بولا۔

"پیاری لائبہ کا بھی تمہارے کاموں سے سمجھا جو نہیں لگا۔ ورنہ کان سے پکڑ کر تمہیں باہر نکال دے۔"

رخشندہ نے ہاتھ دوپٹے سے خشک کیے اور فریج کھول کر جوس کا گلاس نکال کر غنی کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ یوں کہ تھوڑا سا جوس چھلک کر اس کے کپڑوں پر بھی گر گیا۔

"ہر وقت مرچیں کیوں چبائے رکھتی ہو۔ میری تو حسرت ہے۔ تم دن میں صرف ایک آدھ بار مسکرا دیا کرو۔" اس نے ایک ہی سانس میں غٹاغٹ جوس چڑھا لیا۔

"اگر تمہیں میرے جیسے صدمے سے گزرنا پڑتا تو پھر پوچھتی۔" رخشندہ آنکھوں میں اتری نمی کو چھپا گئی تھی۔ اماں کے جانے کا دکھ پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔

"مجھے پھوپھو نے بتایا تھا۔ آنٹی کی ڈیتھ کے متعلق ــــ سو میں نے سوچا' ایک چکر پاکستان کا لگا آؤں۔ مگر ادھر تو لوگوں کو فوراً" روٹیاں گننے کی پڑ گئی ہے۔" وہ پھر بھی جتانے سے باز نہیں آیا تھا۔

"تم بھی صبر شکر کر کے کھا لیا کرو۔ نخرے مت دکھایا کرو۔" رخشندہ نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف

کر کے خفگی سے کہا۔

"تمہارا غصہ بھی مجھ غریب پر نکلتا ہے۔" وہ بسورا۔

"پیاری لائبہ کا بھی کبھی دماغ چاٹ لیا کرو۔" وہ بھنائی۔ "اب دو مہینے میرے سر پر سوار رہو گے۔"

"نہیں بیچ کے دنوں میں اپنے یاروں کو بھی شرف میزبانی بخشوں گا۔ تم غم نہ کھاؤ۔" غنی اسے تسلی دے رہا تھا۔

"اب پھوٹو' یہاں سے۔" اس کا ضبط جواب دے گیا۔ "باتوں میں لگائے رکھتے ہو۔"

"اچھا ایک کپ چائے بنا دو۔" وہ فوراً" مطلب کی بات پر آ گیا۔

"جس قسم کی چائے تم پیتے ہو۔ وہ میں نہیں بنا سکتی۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"جس طرح کی تم پیتی ہو ویسی بنا دو۔"

"میں تو جوشاندہ پیتی ہوں۔" اس نے زچ ہو کر کہا۔

"مجھے بھی جوشاندہ بنا دو۔" وہ اطمینان سے پیر جھلا رہا تھا۔ رخشندہ نے پلٹ کر برنر آن کیا۔ چولہے پر پانی رکھا اور پھر دراز سے کیبنٹ سے پیکٹ نکال کر جوشاندہ گھولنے لگی۔ ایک کپ میں گرما گرم جوشاندہ ڈال کر سلیب پر اس کے قریب پٹخ کے بولی۔

"اب پی کر دکھاؤ۔"

"آدھا تم پیو گی آدھا میں ــــ یہ تو پکڑو۔" وہ زبردستی رخشندہ کے ہاتھ میں کپ پکڑا رہا تھا۔ "پہلے تم پیو۔ تاکہ تمہارا جھوٹا پی کر میں امر ہو جاؤں۔"

"بکواس نہیں کرو۔ بنوایا کیوں ہے؟" رخشندہ اس کی انہی عادتوں سے خار کھاتی تھی۔ "اب آرام سے پیو۔ ورنہ تمہارے اوپر گرا دوں گی۔" اس کا انداز صاف دھمکانے والا تھا۔

"پہلے تم پیو ــــ" وہ بھی اپنی ضد پر اڑ چکا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ شروع سے ہی ایسا تھا اور اسی طرح سے دماغ چاٹ کر رکھ دیتا تھا۔ یوں کہ بندہ اپنا سر پیٹنے پر مجبور ہو جاتا۔

رخشندہ کے ساتھ اس کی بے تکلفی بھی ہنوز تھی۔ بہت بچپن سے جب انکل زندہ تھے۔ تب سے ہی وہ ان کے گھر پوری چھٹیاں گزار کر جاتا تھا۔ تین تین ماہ پھپھوں سے لاڈ اٹھوانے آ جاتا تھا۔ اور ایسے ہی لاڈ وہ زبردستی رخشندہ سے بھی اٹھوا لیتا تھا۔ اور وہ کچھ تو مروتاً" اور کچھ بھابھی کے خیال سے غنی کے نخروں کو برداشت کر جاتی تھی۔

وہ گرما گرم کپ اس کے منہ سے لگا چکا تھا۔ اور اس کے دونوں ہاتھ جکڑنے کے بعد وہ کچھ جوشاندہ اس کے حلق میں انڈیل کر اب اطمینان سے کپ منہ سے لگا کے پی رہا تھا۔ جبکہ وہ جلے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے کفگیر اٹھا رہی تھی۔ اور چونکہ غنی الرٹ کھڑا تھا سو کپ سلیب پر پٹخ کر باہر کی طرف بھاگ گیا۔ جبکہ رخشندہ کفگیر اٹھائے اس کے پیچھے تھی۔

"اب آئی ہو نا' اپنی اصلی حالت میں۔ مجھ سے تمہاری یہ سنجیدگی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔" وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک ماہر سائیکاٹرسٹ ہے۔

☼ ☼ ☼

بہت بچپن میں غنی' لائبہ اور وہ ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔ لائبہ اس کے بغیر سانس بھی نہیں لیتی تھی۔ کھانا' پینا حتیٰ کہ سونا تک اکٹھے ہوتا تھا۔ اکثر لوگ ان دونوں کو جڑواں بہنیں سمجھتے تھے۔ لائبہ کچھ اس طرح سے رخشندہ کے ساتھ الیچ تھی۔ اور یہی حال غنی کا بھی تھا۔ وہ ہر چھٹیوں میں پاکستان آتا تھا اور اپنی پھوپھو کے گھر ساری چھٹیاں گزار کر جاتا تھا۔ اس کی لائبہ سے بھی زیادہ رخشندہ کے ساتھ بنتی تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس کے بے تحاشا ستانے' چڑانے پر لائبہ واک آؤٹ کر جایا کرتی تھی تاہم رخشندہ کا غنی کے ساتھ دو بدو مقابلہ ہوتا تھا۔ وہ ہرگز بھی ہار تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اور غنی کو اس کی یہی عادت بہت اچھی لگتی تھی۔

بچپن میں ایک ساتھ لڑتے' جھگڑتے شرارتیں

کرتے 'وقت کے پنچھی نے شعور کی منزلوں کے حوالے کیا' رخشہ خود بخود سنجیدگی کی چادر اوڑھ گئی تھی۔ لائبہ قلبی طور پر ہی نہیں ذہنی اور روحانی طور پر بھی اس سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔ ایک تو اسے اپنے اکلوتے پن پر بھی بہت مان تھا۔ دوسرے وہ حسین بھی بہت تھی۔ سو اس کا رویہ رخشہ سے بہت بدل گیا تھا اور کچھ رخشہ کو اماں کی بیماری نے دنیا کی ہر رنگینی سے دور کر دیا تھا۔

کتابوں کے علاوہ اماں کی دیکھ بھال اور گھر کی ذمہ داریوں نے اسے خاصا خاموش طبع بنا دیا تھا۔ پھر بھائیوں کے روکھے رویوں نے اسے بہت حساس کر دیا تھا۔ ایسے میں غنی کی آمد ایک خوشگوار جھونکے کی مانند لگتی تھی۔ مگر یہ غنی بھی بلا کا کمینہ تھا۔ ابھی تک ستانے اور چڑانے سے باز نہیں آتا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ زرگون غنی کی آمد کے ساتھ ہی چاروں پورشنز میں تھرتھلی مچ جاتی تھی۔ وہ بیک وقت رخشہ کے چاروں بھائیوں اور چاروں بھابھیوں کا چہیتا تھا اور گھر کے نونہال تو غنی کے دیوانے تھے۔ اور غنی کی آمد کے دن گن گن کر گزارتے تھے۔ کیونکہ غنی اپنے ساتھ لائے بھاری بھرکم بیگز اور سوٹ کیس میں ننھی پلٹون کی ضرورت کے متعلق ہر چیز لے کر آتا تھا۔

غنی کا قیام دو ماہ تک تھا۔ وہ اپنی حرکتوں سے رخشہ کو عاجز کر کے رکھ دیتا تھا۔ جیسا کہ اس وقت صبح صبح محترم نے انڈوں کے حلوے اور قیمہ بھرے پراٹھوں کی فرمائش کر دی تھی۔ رخشہ کو اس کی فرمائش پوری کرنا برا نہیں لگتا تھا مگر جو کچھ وہ ان فرمائشی لوازمات کا حال کرتا تھا اس پر رخشہ کو حد درجہ تپ چڑھ جاتی تھی۔

"کیا ابھی تک پراٹھا نہیں بنا؟" وہ تیسری مرتبہ کچن میں جھانک کر بولا۔

"توبہ ہے غنی! تھوڑا صبر کرو ابھی بنایا جا رہا ہے۔" وہ احتیاط سے پیڑا بنا رہی تھی۔

"تمہیں گیارہ بجے تک بھوکا رہنا پڑتا تو پھر میں پوچھتا تم سے۔" غنی مسلسل ٹیبل بجائے جا رہا تھا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ؟" رخشہ نے احتیاط سے توے پر روٹی ڈالی۔ دراصل قیمہ بھرے پراٹھے بنانے اسے ابھی تک نہیں آئے تھے۔ عموماً" روٹی توے پر پہنچتے ہی پھٹ جاتی تھی۔

"پوچھو؟" وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

"تم اپنی دوسری پھوپھو کے پورشن میں کب جاؤ گے؟"

"بڑے افسوس کا مقام ہے۔" وہ کچھ کر تاسف سے بولا۔ "مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں!"

"مگر تم مہمان کہاں ہو۔"

"ہاں ہاں۔ میں تو بلائے جان ہوں۔ ابھی بتاتا ہوں پھوپھو کو لوگوں کو میرا قیام خاصا کھٹک رہا ہے۔" وہ جھٹ پٹ اسٹول سے اتر کر کھڑا ہو گیا تھا یوں کہ رخشہ فوراً" گھبرا اٹھی۔

"غنی! انسان بنو' خبردار اگر بھابھی کو کچھ الٹا سیدھا بتایا۔"

"اب تو ضرور بتاؤں گا۔" اس کا انداز دھمکانے والا تھا۔

"جاؤ' جا کر بتاؤ۔ اپنا شوق پورا کر لو۔ پھر خاطر مدارات کسی اور سے کروانا۔" رخشہ بھی دھمکی آمیز لہجے میں بولی تھی اور یہ تو ان کا معمول تھا۔ ذرا ذرا سی بات پہ تکرار بحث و مباحثہ۔ زبردستی کا لڑائی جھگڑا۔

"اللہ کی قسم بہت ظالم ہو تم۔" وہ پھر سے اسٹول پر چڑھ کے بیٹھ گیا۔ "تمہاری خوشامد تو بہت ضروری ہو گئی ہے۔ ورنہ پھوپھو اور لائبہ کی کوکنگ سے تو اللہ بچائے۔"

"اب میں جا کر بتاتی ہوں بھابھی کو۔ غنی ان کی برائیاں کر رہا ہے۔"

"تو بتا دو۔ میں سچ بولنے میں جھجکتا نہیں ہوں۔" بے نیازی سے بولا۔

"اچھا' دماغ مت چاٹو میرا۔ یہ پراٹھا پکڑو اور دفع ہو یہاں سے۔" اس نے پلیٹ زبردستی غنی کے ہاتھ میں تھمائی۔

"مجھے بھی گرمی میں کھپانے کا شوق نہیں۔ تمہیں کمپنی دینے کے خیال سے بیٹھ گیا تھا۔"

"شکریہ جناب کا۔" وہ عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"وعلیکم شکریہ۔ ابھی ڈیڑھ گھنٹے بعد پھر سے کچن کو رونق بخشیں گے تب تک کے لیے اللہ حافظ۔" وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا جبکہ رخشہ نے ہنستے ہوئے جلدی جلدی کچن میں بکھرا پھیلاوا سمیٹنا شروع کر دیا۔

بھابھی اور لائبہ تو ناشتہ کرنے کے بعد بازار چلی گئی تھیں۔ ادھر رخشہ کو دوپہر کے کھانے کی فکر لگ گئی تھی اور جب وہ کدو چھیلنے میں مصروف تھی تب بھابھی اور لائبہ بھی آ گئیں۔

"تم ابھی تک گھر میں ہو؟" بھابھی نے لاؤنج میں داخل ہونے کے بعد پہلا سوال یہی کیا تھا۔ جب وہ گھر سے جا رہی تھیں۔ تب وہ بھی کہیں نکلنے کو تیار تھا۔ مگر اس وقت غنی کو گھر میں دیکھ کر انہیں اچھا خاصا شاک لگا تھا اور وہ سوچ رہی تھیں کہ اگر اس نے گھر میں ہی رہنا تھا تو پھر لائبہ کو بازار نہیں جانا چاہیے تھا۔ مگر اس بے صبری شاپنگ کی شیدائی لائبہ کی ضدی طبیعت کا کیا کرتیں۔ وہ ہر جگہ جانے کے لیے فوراً" تیار ہو جاتی تھی کہ گھر میں رہ کر رخشہ کا ہاتھ نہ بٹانا پڑے۔

غنی نے سنی ان سنی کر کے ہانک لگائی تھی۔

"رخشی! اسکوائش کا جگ تو بنا لاؤ۔ پھوپھو اتنی گرمی میں ہلکان ہو کر آئی ہیں۔"

"خود اٹھ کر بنا لو۔ پھوپھو کے ہمدرد کو تو دیکھو ذرا۔" وہ گویا سنی ان سنی کر کے اپنے کام میں لگی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ خود چلا آیا۔

"چینی اور اسکوائش کی بوتل کہاں رکھی ہے۔ ہم بھی اپنی پھوپھو کی خدمت کر لیتے ہیں۔"

"یہ لو۔" اس نے لحاظ مروت ایک طرف رکھ کر ساری چیزیں میز پر سجا دیں۔ غنی نے فوراً" اٹھ کر پورا جگ بھر کر بنایا تھا۔ ایک گلاس اسے بھی عنایت کیا گیا تھا۔ اس نے بھی جھجک ایک طرف رکھ کر پورا گلاس پی لیا۔ آج گرمی بھی بلا کی تھی۔ سورج گویا آگ برسا رہا تھا۔

"یہ اور پی لو۔" غنی نے ایک اور گلاس بھر کر اس کی سمت بڑھایا۔

"تھینک یو!" اس نے کفران نعمت کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ جب وہ گلاس رکھنے کے لیے پلٹ کر میز تک آئی تو حیران ہی رہ گئی۔ پھوپھو کے دلارے نے جگ کو منہ لگا رکھا تھا۔ دوسرے ہی پل جگ خالی ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"بھابھی کو کیا دو گے؟"

"وہ حافظ سوڈا واٹر سے یہ لمبے لمبے گلاس مینگو شیک کے پی کر آئی ہوں گی۔ اب اسکوائش پی کر منہ کا ذائقہ خراب کرنا ہے کیا۔" وہ مزے سے بولا تھا۔ رخشہ کو ہنسی آ گئی۔ چالاکیاں ساری زرگون غنی پر ہی تو ختم تھیں۔ وہ سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی اور وہ گنگناتا ہوا باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

بہت دن کی حبس اور گھٹن کے بعد گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ کل رات بے حد طوفانی بارش ہوئی تھی۔ درختوں کا سارا پھل ٹوٹ ٹوٹ کر گر گیا تھا۔

صحن کی صفائی رخشہ کے ذمے تھی۔ حالانکہ صحن تو ان چاروں بھائیوں کا مشترکہ تھا۔ اس وقت بھی وہ لمبی سی جھاڑو پکڑے پھولوں اور پھلوں کے ڈھیر کو اکٹھا کر رہی تھی۔ پائپ بھی لگا رکھا تھا۔

صرف آدھے گھنٹے میں پورا صحن دھل دھلا کر چمک اٹھا تھا اور وہ بھی گویا تھک ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔ وائپر جھاڑو اور پائپ کو ٹھکانے لگا کر وہ اک طائرانہ سی نگاہ صحن پر ڈالنے کے بعد اندر جانے ہی لگی تھی جب اوپری منزل کی ریلنگ سے ناعمہ بھابھی نے جھانک کر آواز لگائی۔

"رخشی! ذرا اوپر آنا۔"

"یا اللہ! خیر۔" رخشہ نے تھکی تھکی نظر سے ریلنگ کی طرف دیکھا تھا۔ بھابھی صاحبہ اوپر آنے کا

حکم سنا کر واپس جا چکی تھیں۔ وہ اندر جانے کے بجائے بیرونی سیڑھیوں کی طرف آگئی تھی۔ وہ گول زینہ عبور کرکے ٹھنڈے ٹھار لاؤنج میں داخل ہوگئی۔ سامنے ہی بھابھی عروبہ کو کندھے سے لگا کے تھپک رہی تھیں۔

"کبھی اوپر کا چکر بھی لگا لیا کرو۔ یہ بھی تمہارے بھائی کا گھر ہے۔" ناعمہ اسے دیکھتے ساتھ ہی شکوے شکایات کے اوراق پلٹنے لگی تھیں۔

"بس بھابھی وقت ہی نہیں ملتا۔" وہ بھلا اس کے علاوہ کہتی بھی کیا۔

"بیٹھ جاؤ' کچھ دیر ہمارے پاس بھی۔"

"بھابھی! ابھی کپڑے بھی پریس کرنے ہیں۔" رخشندہ کپڑوں کے ڈھیر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"لائبہ سے کہا کرو۔ اس طرح کے کام وہ کر لیا کرے۔ تم کچن بھی تو سنبھالتی ہو۔ بھابھی تو کب سے جان چھڑا چکی ہیں ہر کام سے۔" ناعمہ نے سرگوشی نما آواز میں کہا۔

"آپ کو کچھ کام تھا؟"

"وہ دراصل تمہارے بھائی کے کچھ کپڑے رکھے تھے۔ استری کر سکتی ہو تو کر دینا۔ عروبہ نے مجھے صبح سے اپنے ساتھ باندھے رکھا ہے۔ اب لائٹ آئی ہے مگر مجھے ابھی ہانڈی بھی چڑھانا ہے۔"

"کر دیتی ہوں۔" اس نے گہری طویل سانس کھینچ کر کہا۔ "ویسے کتنے سوٹ ہیں؟"

"صرف تین۔" وہ خوشی خوشی اٹھ کر کپڑے نکال لائیں۔ رخشندہ نے استری لگا کر ابھی کپڑے پریس کرنا شروع کیے ہی تھے جب بھابھی وہ تین اپنے بھی سوٹ نکال لائیں۔

"رخشندہ! انہیں بھی بس ہلکا ہلکا پریس کر دو۔ زیادہ جما کر پریس کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے بھابھی!" وہ چپ چاپ سر جھکائے کپڑے استری کرتی رہی تھی۔ اس دوران بھابھی کچن میں چلی گئیں۔ شاید کھانا بنانے لگی تھیں۔

کپڑے پریس ہو چکے تو وہ ٹھکانے بھی لگا آئی۔

بھابھی بھی کچن سے فارغ ہو چکی تھیں۔ اب ٹرے اٹھائے لاؤنج میں آرہی تھیں جب اسے جاتے دیکھا تو چونک اٹھیں۔

"کھانا تو کھا لو رخشی!" انہوں نے زور کی ہانک لگائی تھی۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ منع کر دے مگر پھر کچھ سوچ کر واپس پلٹ آئی۔

"کیا پکایا ہے؟"

"چکن اور چٹنی۔" وہ فریج سے ٹھنڈی بوتل پانی کی بھی نکال لائیں۔ رخشندہ نے سر ہلا کر کھانا شروع کر دیا تھا۔ ایک بات تو ٹھیک تھی کہ ناعمہ بھابھی کے ہاتھ میں ذائقہ کمال کا تھا۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ ٹھنڈی ٹھار سپرائیٹ پی اور اللہ کا شکر ادا کرتی نیچے چلی آئی۔

جوں ہی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تو گویا بھونچال آگیا۔ بلکہ بھونچال تو پہلے سے ہی آیا ہوا تھا۔ ظاہر ہے رخشندہ اتنی دیر سے غائب تھی اور بھابھی کو آج کچن میں جھانکنا پڑ گیا تھا۔ انہیں تو مسالہ جات ملنا بھی جان جوکھوں کا کام لگ رہا تھا۔ پورے گھنٹے میں تو دال' چاول کے کنکر چنے گئے تھے۔ ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل کچن میں کھڑے ہونا پڑا تھا۔ بھابھی کا مزاج برہم تھا ہی' صاحبزادی کے تیور بھی خاصے خطرناک لگ رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا محترمہ بھی خاصی دیر کچن میں موجود رہی ہیں۔ یقیناً" بھابھی نے اس سے کچھ کام وغیرہ کروایا تھا۔

"اوپر والوں کی خدمت گزاری کرکے تشریف لے آئی ہیں۔" لائبہ صوفے پر لیٹی تھی۔ اسے دیکھ کر فوراً" اٹھ بیٹھی۔

"ہم تو خدمت کے لیے ہی تشریف لائے ہیں۔ آپ جیسے لوگوں کی۔" رخشندہ نے بھی ادھار رکھنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ویسے بھی شکم سیر تھا۔ طبیعت بحال تھی سو جوابی گولہ باری کے لیے وہ خود کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔

"چاچی نے کیا کچھ خاطر داری کی ہے؟" لائبہ کا انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔

"تم خود ہی پوچھ آؤ۔"

"آپ ہی بتا دیں۔۔۔ ذرا ہم بھی تو جانیں اوپر کون سی دعوت شیراز تیار ہوئی ہے کچھ دیر پہلے۔" لائبہ نے طنزیہ مسکان لبوں پر سجائے سجائے کہا۔

"دعوت شیراز کا آپ کے نزدیک نجانے کیا مفہوم ہے۔ ہم تو پیار بھرے اصرار اور عزت کی روٹی کو پرتکلف ڈنر سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں۔" رخشندہ نے اس کے طنز کو چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

"ہائے' اس انکساری پر کون مر جائے؟ اسی سادگی نے ہی تو لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنا رکھا ہے۔" لائبہ نے پھر سے طنزیہ انداز اپنایا۔

"ہم نے تو آج تک کسی کو اپنا گرویدہ نہیں دیکھا۔ یقیناً اس سے بڑا مذاق کیا ہو گا۔" رخشندہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔ اسی پل غنی بھی کمرے سے نکل آیا تھا۔

"دو معزز خواتین کس بات پر بحث و مباحثے میں مصروف ہیں؟"

"لو ایک گرویدہ تو سامنے ہی ہیں۔" لائبہ نے مذاق اڑایا۔

"کون کس کا گرویدہ ہے؟" غنی نے پوچھا۔

"تم گرویدہ ہو' رخشندہ کے۔" لائبہ اطمینان سے بولی۔

"کیا بکواس ہے یہ۔" رخشندہ نے دانت پیس کر لائبہ کو گھورا تھا۔ جو مسلسل مسکراتے ہوئے پیر جھلا رہی تھی۔

غنی کی کوئی فون کال آگئی تھی اور وہ اٹھ کر فون سننے چلا گیا تھا۔ غنی کے اٹھتے ہی اس نے منہ پھٹ سی لائبہ کو بری طرح سے گھورنا شروع کیا۔

"کون سی بکواس؟"

لائبہ کا موڈ بے انتہا خوشگوار ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ جلی بھنی بیٹھی تھی مگر اس وقت گویا مسکراہٹ اس کے لبوں سے چپک کر رہ گئی تھی۔ اور وہ چپکے چپکے ہاتھ میں پکڑے موبائل فون پر بھی انگلیاں چلا رہی تھی۔ یعنی خوشگوار موڈ کا اور ہونٹوں کی شگفتہ شگفتہ مسکان کا تعلق موبائل فون سے تھا۔ اسے پتا تھا کہ اب لائبہ کچھ نہیں سنے گی۔ ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

لائبہ کا ان دنوں تمام وقت موبائل فون کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ ہر وقت آنکھیں سیل کی اسکرین کے ساتھ چپکائے رکھتی تھی۔ یہاں تک کہ اسے غنی کے ساتھ لڑنا جھگڑنا بھی بھول گیا تھا۔ غنی ویسے بھی ان دنوں اپنے کسی دوست کی شادی میں شرکت کرنے کی غرض سے مظفر گڑھ گیا ہوا تھا۔ سو فی الحال رخشندہ بھی فری تھی۔ ورنہ تو سارا دن کچن کی نذر ہی ہو جاتا تھا۔

ان دنوں اسے ایک پرائیویٹ اسکول سے جاب کی آفر بھی آئی ہوئی تھی۔ اور یہ مسئلہ تفصیل بھیا کی عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ حسب معمول بھیا نے اس کیس پر غور کیے بغیر جھٹ سے انکار کر دیا تھا اور رخشندہ ہمیشہ کی طرح دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ حالانکہ بھابھی نے بھی دبے دبے لفظوں میں اس کی جاب کے بارے میں حمایت کرنا چاہی تھی مگر وہ بھیا ہی کیا جو مان جاتے۔

گھر کے کام کاج نجانے کیوں مختصر ہوتے چلے گئے تھے۔ شاید اس لیے بھی کہ لائبہ بھی اب کوئی فرمائش نہیں کرتی تھی۔ اسے کھانے پینے کا بھلا ہوش ہی کہاں رہتا تھا۔ ہر وقت تو انگلیاں موبائل کے بٹن پر چلتی رہتی تھیں۔ بھابھی زیادہ تر بیرونی دوروں پر نکلی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ پھر سے ان کے سر پر رخشندہ کی شادی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ نوراں آپا کے ساتھ نجانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر آئی تھیں۔

پھر ایک دن نوراں آپا مٹھی بھر چینی نجانے کس بابے سے دم کروا کر لے آئی تھیں۔ بھابھی نے خوشی خوشی چینی کے ننھے سے شاپر کو مٹھی میں دبوچا۔

"یہ غنی کے لیے ہے نا۔" وہ دبی آواز میں نوراں آپا سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں' رخشی کے لیے۔ جلد از جلد اس کی کہیں بات بن جائے۔ تمہارے سر کی بلا ٹل جائے۔ چائے

میں گھول کر پلا دیجئے۔"
"اور غنی کے لیے نہیں لائیں؟" نوشابہ نے بے قراری سے پوچھا۔
"لائی ہوں۔ یہ نمک ہے۔ سالن پر چھڑک دینا۔ ان شاء اللہ اس کا دھیان لائبہ میں ہی اٹکا رہے گا۔" نوراں آپا نے ایک اور پڑیا بھابھی کی طرف بڑھا دی تھی۔ رخشندہ جالی دار دروازے سے سارا منظر دیکھ چکی تھی۔ اس کا دل گویا دھک سے رہ گیا تھا۔ بھلا بھابھی کن چکروں میں پڑ رہی تھیں۔ یہ جادو 'ٹونے' عمل ــــ بھلا ان چیزوں سے کیا ہو سکتا تھا جب تک اللہ کی طرف سے راستے کشادہ اور دل نرم نہ ہو جاتے۔ اس چینی کو رخشندہ کے لیے منگوا کر وہ اس کے لیے اچھے رشتے کی امید باندھ رہی تھیں اور غنی کے دل کو لائبہ کی طرف راغب کرنے کی کوشش میں نجانے کیوں بھٹکنے لگی تھیں۔
اگر لائبہ کے نصیب میں غنی کا ساتھ لکھا جا چکا تھا تو پھر اس نصیب کے لکھے کو بھلا کوئی مٹا سکتا تھا۔ یا رد و بدل کر سکتا تھا۔
رخشندہ کا ذہن بری طرح سے الجھ کر رہ گیا تھا۔
نوراں آپا آج پھر آئی ہوئی تھیں اور کچھ ہی دیر بعد بھابھی بھی ان کے ساتھ کہیں چلی گئیں۔ رخشندہ کو قوی امید تھی کہ پھر کسی بابے کے آستانے پر گئی ہوں گی۔ دراصل بھابھی کا پہلے بھی ان بابوں پر خاصا اعتقاد رہا تھا۔ لائبہ کی دفعہ بھی وہ نجانے کہاں کہاں سے تعویذ لیتی رہی تھیں۔ تاہم یہ کام بھیا سے چوری چھپے کیے جاتے تھے۔ بھابھی کے چلے جانے کے بعد وہ لائبہ کے کمرے میں آگئی تھی۔ لائبہ حسب معمول فون پر مصروف تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے مزید دس منٹ بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا تھا۔
"آئیے جناب!" لائبہ کا موڈ بے حد شگفتہ تھا۔ اس نے جلنا کڑھنا ترک کر دیا تھا۔ آج کل تو وہ خوب چمک بھی رہی تھی۔
"کس سے بات کر رہی تھیں؟"
"غنی سے۔"
"کب آئے گا؟"
"کیوں بھئی انتظار ہو رہا ہے؟" لائبہ شرارت سے چہکی۔
"ایسے ہی پوچھ رہی ہوں۔ ابھی دو چار دن نہ ہی آئے تو بہتر ہے۔ میری تو پریڈ کروا کر رکھ دیتا ہے۔"
ان دنوں تو لائبہ نے سفارتی تعلقات بھی اس کے ساتھ بحال کر لیے تھے۔ کافی بے تکلفی کا مظاہرہ کرنے لگی تھی۔ ورنہ تو پچھلے چند سالوں سے وہ ضرورت کے تحت اس سے بات کرتی تھی۔ اپنی ہی دنیا میں مصروف رہتی۔
"یہ بھی ٹھیک کہا۔" لائبہ بغیر برا مانے کھکھلائی۔ اس کی بات بے بات کی کھکھلاہٹوں نے رخشندہ کو چونکا تو دیا تھا اور وہ سمجھ چکی تھی کہ اس کے خوشگوار موڈ کی ہر کڑی غنی کی طرف سے کسی "اقرار" سے جا ملتی تھی۔ اور یہ بات بھی چند دن بعد کھل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس دن صبح صبح لائبہ اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ شاید بہت سالوں بعد لائبہ نے اس کے کمرے میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔ ورنہ تو دروازے میں ہی کھڑے کھڑے سوال 'جواب کرنے لگتی تھی۔ وہ ابھی بستر سمیٹ رہی تھی جب لائبہ دھپ دھپ کرتی آگئی۔
"خیریت۔" وہ کھیس تہہ کر رہی تھی۔
"مجھے ثانیہ کے گھر جانا ہے۔" آپ ساتھ چلیں گی؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ دوسرے معنوں میں التجا کر رہی تھی۔
"مگر کیوں؟ پہلے تو مجھے کبھی ثانیہ کے گھر نہیں لے کر گئیں؟" اس کا چونکنا بھی فطری تھا۔
"آج کچھ خاص بات ہے۔" وہ مسکرائی۔
"ماما سے پوچھا ہے؟"
"پوچھ لیا ہے۔" وہ مطمئن تھی۔
"ٹھیک ہے۔" رخشندہ نے سر ہلا دیا۔
سر حفیظ کے پرائیویٹ اسکول کے سامنے پارک ہوا تھا' یہ اسکول ان کے گھر سے کچھ ہی دور تھا۔

ثانیہ کے گھر کے بجائے اسی پارک میں چلی آئی تھیں۔ وہ راستہ بھر لائبہ سے پوچھتی رہی۔
"یہاں کیوں آئی ہو؟"
"صبر تو کرو۔" وہ موبائل پر مصروف تھی۔ کچھ دیر بعد اس سے مخاطب ہوئی۔
"وہ آرہا ہے۔"
"بھلا کون؟" خوف کے مارے اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جبکہ لائبہ کو کوئی پروا نہیں تھی۔
"طلاب۔" اس کے گالوں پر گلاب کھل اٹھے تھے۔

"ہائے یہ کون ہے؟" وہ چیخ پڑی۔
"ثانیہ کا کزن ہے۔ تم دیکھ کر بتانا کیسا ہے۔" لائبہ کی آنکھوں میں بھی دھنک اتری ہوئی تھی۔
"اچھا' تو یہ معاملہ ہے۔" وہ گویا اب سمجھ گئی تھی۔ ہائے اللہ! تو پھر غنی کا کیا ہو گا۔" کچھ دیر بعد اسے بے چارے غنی کا خیال آیا تو بول اٹھی۔
"بے چارا' یتیم یسیر غنی۔" اسے بے انتہا دکھ ہو رہا تھا۔ ادھر بھابھی کے غنی اور لائبہ کے حوالے سے دیکھے گئے سپنے بھی ٹوٹنے کے قریب تر تھے۔
"یہ بے چارا ابھی یتیم ہی ہے۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "غنی کی مجھے فکر نہیں۔ اس کے لیے تم جو ہو۔"
"کیا مطلب؟" وہ خاک بھی نہیں سمجھی تھی۔ اسی پل طلاب بھی آگیا تھا۔ اور گفتگو کا موضوع خود بخود بدل گیا۔ طلاب ان ہی کا ہم عمر تھا۔ مگر بلا کا معصوم اور شرمیلا۔ سچی بات تو یہ تھی۔ رخشندہ کو یہ سلجھا ہوا' تمیزدار' شریف لڑکا بہت پسند آیا تھا۔ بہت اچھی جاب سے بھی منسلک تھا۔ اپنا ذاتی گھر اور تنہائی کے علاوہ اس کا پاس کچھ نہیں تھا اور جو سب سے اہم بات تھی۔ وہ طلاب کی لائبہ کے لیے محبت تھی۔ وہ سچ مچ طلاب تھا یعنی لائبہ کی خواہش کرنے والا' امنگ اور آرزو کرنے والا۔

"تم اپنے کسی بڑے کو ہمارے گھر بھیجو۔"
"ثانیہ کی امی آئیں گی۔ وہ میری امی کی کزن ہیں۔ میں انہیں اپنی ماں کی طرح ہی سمجھتا ہوں۔"
اس نے نظر جھکائے جھکائے جواب دیا تھا۔ وہ صرف دس منٹ کے لیے آیا تھا اور پھر چلا بھی گیا۔ مگر یہ دس منٹ ان پر اس وقت قیامت بن کر ٹوٹے تھے جب ان کے سر پر ڈاکٹر جمیل بھیا پہنچ گئے۔ رخشندہ کے تو گویا حواس اڑ گئے تھے۔ انہوں نے اگرچہ طلاب کا چہرہ نہیں دیکھا تھا مگر ایک نوجوان مرد کو پلٹتے ہوئے ان کے قریب کھڑا وہ دیکھ چکے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اپنے گھر سے دور ایک سنسان پارک میں موجود تھیں۔ یہ ان کی بد قسمتی تھی کہ بھیا اپنے کسی دوست کی عیادت کرنے یہاں آئے ہوئے تھے اور انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا تھا۔
"پاپا! بھیا کے خونخوار تیور دیکھ کر لائبہ کی روح بھی فنا ہو گئی تھی۔ بھیا نے دو تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے۔
"کیوں آئی ہو یہاں؟" وہ پھنکار کر بولے۔
"بھیا! میں اسے لائی تھی۔" رخشندہ کے منہ سے اچانک نکلا۔ بالکل غیرارادی۔" وہ بولنا کچھ اور چاہتی تھی اور منہ سے کچھ اور نکل گیا تھا اور جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے بالکل اسی طرح اس کے منہ سے یہ چند الفاظ نکل گئے تھے۔ یکایک بھیا کی آنکھوں نے پھر سے رنگ بدل لیا تھا اور رخشندہ کی زبان بھی گویا ایک معمول کی طرح خود بخود چلنے لگی۔ اگر اسے خبر ہوتی کہ لائبہ اسے طلاب سے ملوائے گی تو وہ مت طریقوں سے اسے سمجھاتی۔
"بھیا! یہ سر حفیظ کے اسکول میں جاب کرتا ہے۔ وہ ہی اسکول جہاں میں نے اپنی سی وی بھجوائی تھی۔ میری سی وی کر لو کیمپس کے مین آفس میں تھی جبکہ ہم لوگ غلطی سے ادھر آگئے ہیں۔ میں اس سے اسی بارے میں پوچھ رہی تھی۔" اس کی زبان نے سلیقے سے ایک جواز تراش لیا تھا۔ وہ لائبہ کے لیے ڈھال بن گئی تھی اور یہ سب غیرارادتاً ہوا تھا۔ ادھر لائبہ فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھے جا رہی تھی۔
بھیا کے تاثرات نارمل ہو گئے تھے۔ یعنی انہیں اس کے بیان پر یقین آگیا تھا۔ وہ قیامت کے پل

جانے پر شکر ادا کر رہی تھی اور ساتھ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ لائبہ کو سمجھانے کی کوشش کرے گی۔

اپنے بزرگوں کی عزت کا کانچ پارکوں اور بازاروں میں نہیں رولتے۔

محبت کرنا غلط نہیں ہوتا۔ اس کے حصول کے لیے غلط راہوں کا انتخاب غلط ہوتا ہے اور وہ سوچ رہی تھی کہ طلاب سے کہے گی۔ سیدھے اور صاف طریقے سے اپنا پرپوزل بھجوائے۔ مگر اس سے بھی پہلے ایک اور واقعہ رونما ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ غنی کے واپس چلے جانے کے بعد کی بات ہے۔ اسے وہ واقعہ نہیں کہہ سکتی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ حادثہ تھا۔

وہ اور لائبہ گھر آچکی تھیں۔ بھیا نے مزید کوئی باز پرس بھی نہیں کی تھی۔ یعنی انہیں رخشہ کی ہر بات کا یقین تھا۔ جہاں اسے اپنے بھائی کے اعتماد اور یقین پر بے تحاشا خوشی ہوئی تھی۔ وہیں اس کے مان اور اعتبار کی دھجیاں بکھر گئی تھیں اور رشتوں سے اس کا ایمان ہی اٹھ گیا تھا۔

اس رات وہ معمول کے مطابق نماز عشاء پڑھ کر لیٹی ہی تھی، جب چپکے سے دروازہ کھول کر لائبہ چلی آئی۔ اسے خبر تو تب ہوئی تھی۔ جب اس نے لائبہ کے بری طرح سے سسکنے کی آواز سنی تھی۔ وہ ایک دم بستر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور ہاتھ بڑھا کر اس نے سوئچ بورڈ کے بٹن اوپر، نیچے کیے تھے۔ کمرے میں روشنی ہوئی تو لائبہ کا اداس، ویران اور بھیگا چہرہ اس کی نظروں میں آگیا تھا۔ اس کا دل گویا کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ دیا۔

"لائبہ! کیا ہوا ہے؟ بھیا نے کچھ کہہ دیا؟" اس کا دل بری طرح سے خوف کے حصار میں جکڑا گیا تھا۔

"بتاؤ تو سہی۔" لائبہ مسلسل روئے جا رہی تھی اور اس کے آنسو رخشہ کو حواس باختہ کر گئے تھے۔

"لائبہ! کیا ہوا ہے۔ کیوں رو رہی ہو؟ پلیز، کچھ تو بتاؤ۔" اس کے آنسو اسی روانی سے گرتے جا رہے تھے۔ رخشہ نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

"لائبہ! یہ کیا پاگل پن ہے۔" وہ چیخی تھی۔ مگر لائبہ ہنوز سر جھکائے رونے کے شغل میں مصروف رہی۔

"کچھ بتاؤ گی یا پھر بھابھی سے پوچھوں؟"

"کیا پوچھیں گی ان سے؟" وہ روتے ہوئے گویا پھٹ پڑی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" اس نے نرمی سے لائبہ کے آنسو صاف کرنا چاہے تھے۔ کس شدت سے وہ روئے جا رہی تھی اور یہ بھابھی نجانے کہاں تھیں۔ بھلا آج تک لائبہ کی آنکھ میں ایسے آنسو اترے تھے؟ اسے تو کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا۔ کبھی کسی نے جھڑکا تک نہیں تھا۔

"یہ ندامت کے آنسو ہیں رخشی!" وہ پھر سے زارو قطار رونے لگی تھی۔

"اچھا ہوا۔۔۔ تمہیں بھی احساس ہو گیا۔ دیکھو آج تو بھیا کو ٹال دیا ہے مگر آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ تم طلاب کو کہو۔" ابھی وہ کچھ اور بھی بولنا چاہ رہی تھی جب لائبہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں پتا ہے۔ کیوں رو رہی ہوں؟" اس نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کچھ بتاؤ گی تو خبر ہو گی نا۔"

"پہلے مجھ سے وعدہ کرو۔ مجھے معاف کر دو گی۔" وہ رخشہ کے دونوں ہاتھ تھامے التجا کر رہی تھی۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" وہ زچ ہو گئی تھی۔ دراصل اس کی چھٹی حس نے پہلے ہی اسے کچھ انہونا، کچھ غیر معمولی پن کا احساس دلا دیا تھا۔

"رخشی! میں جان بوجھ کر تمہیں طلاب سے ملوانے لے گئی تھی۔ اور پاپا کو بھی جان بوجھ کر ماما نے ادھر بھیجا تھا۔ میں بہت بری ہوں رخشی! میں نے طلاب کی محبت کو بھی استعمال کرنا چاہا تھا اور تمہیں بھی سب کی نہیں، صرف غنی کی نظروں میں گرانے کے لیے یہ سب کیا۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ماما نے مجبور کر دیا تھا۔ ماما جانتی ہیں کہ میں طلاب میں انٹرسٹڈ ہوں۔ مگر ماما کا خیال ہے کہ طلاب، غنی کی طرح اسٹیبلشڈ نہیں ہے۔ وہ چاہتی تھیں کہ میری شادی غنی سے ہو۔ حالانکہ طلاب مجھ سے بہت مخلص ہے۔ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے مگر میں نجانے کیوں ماما کی باتوں میں آگئی تھی۔

دراصل بات یہ ہے، غنی نے جانے سے پہلے اپنا پرپوزل تمہارے لیے پاپا کے سامنے پیش کیا تھا۔ تب ہی ماما کو بہت غصہ تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ تمہاری شادی غنی سے ہو۔

اور جب پاپا کے سامنے تم نے ساری بات خود پر لے لی تو مجھے اپنی گھٹیا حرکت اور ماما کی سطحی سوچ سے گھن آنے لگی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میری ڈھال بن جاؤ گی۔ حالانکہ تمام پلاننگ کرنے کے باوجود پاپا کو دیکھ کر میرے خوف کے مارے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ میں پاپا سے کیا کہتا ہے۔ ماما کی سمجھائی گئی ساری بات نہ جانے کب، کیسے اور کس طرح میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اس خود غرضی، تنگ دلی اور گھٹیا پن، کمینگی کے لیے مجھے معاف کر دیں۔

طلاب بے چارے کو تو کچھ خبر نہیں۔ وہ میرے کہنے پر تم سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ میں نے اسے اپنی پھوپھو سے ملوانا ہے۔ ماما نے مجھے سختی سے منع کیا تھا کہ میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں مگر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں زیادہ دیر سچائی کو تم سے چھپا نہیں پائی۔"

وہ سسکتے ہوئے خاموش ہو گئی تھی جبکہ رخشہ کا وجود گویا ساکت ہو گیا تھا۔ اسے بھابھی سے ایسی امید ہرگز نہیں تھی۔ اپنی بیٹی کو اچھی زندگی دینے کے لیے وہ اس کی ذات کو اس بری طرح سے استعمال کریں گی۔ یہ تو رخشہ نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ نجانے خود غرضی کی کتنی شکلیں تھیں، کتنی صورتیں تھیں، کتنے روپ تھے۔ ہر دفعہ چہرہ بدل بدل کر خود غرضی اپنی بھیانک صورت دکھائی تھی۔ اس کا دل دکھ کے احساس تلے دب کر رہ گیا تھا مگر بند ہونٹوں سے ذرہ بھر شکوہ نہیں نکلا۔ وہ بھلا لائبہ سے کیا کہتی۔ جو پہلے ہی اپنے کیے پر بے حد نادم اور پشیمان تھی۔

دکھ اور صدمات کے بے شمار گھاؤ لیے وہ بھابھی کی طرف سے دیے جانے والے اس زخم کو بھی دل کے نہاں خانے میں چھپا گئی تھی۔ اگر یہ بات بھابھی اور لائبہ کے درمیان تھی تو پھر بھلا وہ کیوں دوسری بھابھیوں کو بتا کر اپنی تشہیر کرواتی۔

فی الحال بھابھی خاموش تھیں اور یہ خاموشی صرف ایک ہفتے تک محدود رہی تھی۔ نوراں آپا اس کے لیے حیام واثق کا پرپوزل لائی تھیں۔ جو نوشابہ بھابھی کے گویا دل کو لگ گیا تھا۔ انہوں نے خاندان، برادری بھی نہیں دیکھی تھی اور اس کا رشتہ طے کر دیا۔ دراصل وہ غنی کے آنے سے پہلے پہلے رخشہ کو ٹھکانے لگا دینا چاہتی تھیں۔ سو انہوں نے جھٹ پٹ اسے رخصت کر دیا تھا اور غنی کو مطمئن کرنے کے لیے انہوں نے بہت سے جواز بھی ڈھونڈ لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

شہری حدود کے اختتام اور گاؤں کی شروعات پر یہ قدیم طرز پر بنا حویلی نما بنگلہ دور سے ہی پراسرار دکھتا تھا۔ آبادی سے بہت دور خاندانی زمینوں پر اس کی تعمیر آج سے کم از کم اسی، پچاسی سال یا اس سے بھی پہلے کی گئی تھی۔ اس بنگلے تک آنے والی سڑک گھنے درختوں کے جھنڈ میں تقریباً" چھپی ہوئی تھی۔ دور سے کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ درختوں کے اس جنگل کے درمیان۔۔۔ کوئی راستہ بھی موجود ہے۔

گاؤں کی طرف جانے والا راستہ اور تھا مگر عموماً" راہگیر اسی راستے کو استعمال کرتے تھے۔ اس طرف تو اکا دکا لوگوں کا آنا جانا تھا۔

اس بنگلے کے قریب سے توہم پرست افراد تو گزرتے بھی نہیں تھے۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ اس عمارت پر بھوتوں کا سایہ ہے۔

اور بہت دن گزر جانے کے بعد تو رخشہ کو گویا ان

توہم پرست لوگوں کی باتوں کا یقین ہونے لگا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا۔ اس گھر کے تینوں مکین انسانی شکل میں بھوت ہی تھے۔

اس گھر میں آمد کی پہلی رات کے بعد ایسے ایسے واقعات پیش آنے لگے تھے کہ رخشندہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ خوف کے مارے اس کی گھگھی بندھ جاتی تھی اور وجود اس طرح سے پسینہ پسینہ ہو جاتا تھا گویا کسی نے اس پر جگ بھر کے پانی کا پھینک دیا ہو۔

پہلی رات کی وہ طلوع ہونے والی سحر بھی عجیب ترین تھی۔ اپنی پچھلی زندگی کو سوچتے سوچتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور وہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی تھی کہ صرف دس منٹ کی اس نے نیند لی ہوگی' جب اپنے بازوؤں اور چہرے پر اس نے انسانی انگلیوں کا لمس محسوس کیا تھا اور اس کی آنکھ ایک جھٹکے کے ساتھ کھل گئی تھی۔ فطری طور پر اچانک ایک خوف نے اس کے دل پر پنجہ مارا تھا۔ مگر اپنے اوپر جھکی اسی عورت کو دیکھ کر وہ سنبھلتے ہوئے اٹھ گئی۔ مگر اس عورت کے حسن نے گویا اس کے ذہن کو منجمد کر دیا تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنے قریب سے کسی خوب صورت اور دل میں اتر جانے والے چہرے کو نہیں دیکھا تھا مگر اس عورت کے دلکش نقوش نے گویا اس کے دل پر ہیبت طاری کر دی تھی۔

ہوتا ہے نا' کسی بھی بہت بد صورت اور کریہہ چہرے یا چہرے کو دیکھ کر ایک دم دل خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے رخشندہ کا دل بھی اس حسین عورت کی پر اسرار مسکراہٹ اور چہرے کو دیکھ کر دہشت زدہ سا رہ گیا تھا۔ پہلے دن ہی اس عورت کے رعب حسن نے رخشندہ کی زبان کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر اس عورت کی سحر طراز آنکھوں میں چمکتے پانیوں کی لو اسی نے اس کے لفظ چھین لیے تھے۔

"بہت ہلکی نیند ہے تمہاری۔ ہاتھ لگانے سے ٹوٹ گئی۔" بہت دیر بعد اس نے کہا بھی تو صرف اتنا۔ کلائی

دیر پھر سے کمرے کی فضا پر بوجھل خاموشی چھائی رہی تھی۔ اس دوران اس عورت کی خود پر جمی نگاہیں وہ صاف محسوس کر رہی تھی۔ مگر دوبارہ نگاہ اٹھا کر دیکھنا رخشندہ کے لیے محال تھا۔

"رات کو سو گئی تھیں کیا؟ دودھ بھی نہیں پیا۔ اگر دودھ پی لیتیں تو میٹھی بہت میٹھی اور پرسکون نیند نے تمہیں اپنے حصار میں لے لینا تھا۔ میں نے یہ دودھ اسی لیے تو بھجوایا تھا۔" وہ شاید پھر سے مسکرائی تھی۔ نم نم سی مسکراہٹ۔ سرخ' رسیلے چیری جیسے ہونٹوں پر اپنا لمس چھوڑ گئی تھی۔

"مگر تم نے تو یہ دودھ پیا ہی نہیں۔ پھر نیند کہاں سے آئی تھی۔ جاگتی رہی ہو نا؟" اب وہ اس کی سرخ آنکھوں میں جھانک کر وثوق سے کہہ رہی تھی۔

"تمہاری مرضی۔ نہ پیو' مگر ایک دن تمہیں یہ دودھ پینا ہی پڑے گا۔ بھلا کب تک جاگو گی؟ ایک نہ ایک دن خود ہی نیند کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے اس دودھ تک آ جاؤ گی۔" اس نے سفید دودھ جیسی انگلیوں سے گلاس کے پیندے کو چھوا۔

"اس میں سرور ہے سرور۔" وہ آنکھ بھر کے پھر سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اور اس کی نظروں کی تپش رخشندہ کو پھر سے الجھن میں مبتلا کر گئی تھی۔

"یہ پی لو۔ دودھ نہیں' آب حیات ہے۔" وہ گویا اصرار کر رہی تھی۔ شاباش بہت میٹھا دودھ ہے۔"

"مجھے نہیں پینا' میرا جی متلا رہا ہے۔" سچ تو یہ ہے۔ دودھ کی اس گردان سے وہ تنگ آ گئی تھی۔

"کیا کہا' جی متلا رہا ہے۔" وہ گلاس پکڑے پکڑے چونک گئی تھی۔ اس کے لبوں پر پھر سے مسکراہٹ چمک گئی۔

"ایک ہی رات میں جی متلانے لگا؟" اس کے لفظوں میں بلا کی معنی خیزی تھی۔

"جاگتی رہی ہوں۔ اسی لیے سر بھاری ہے۔" اس کے لفظوں اور لہجے کی معنویت کا اثر زائل کرنے کی غرض سے بولی۔

"کیوں جاگی ہو؟ جبکہ حیام تو آیا بھی نہیں۔"

باتیں' سونے میں ہی عافیت ہے۔ بندہ کتنے عذابوں سے بچ جاتا ہے۔" اس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔

"تم کون ہو؟" بہت دیر بعد رخشہ کو تعارف حاصل کرنے کا خیال آیا تھا۔ دراصل اس کے لہجے میں کچھ سحر ہی ایسا تھا کہ رخشہ کے ذہن میں اترے سارے خیال کسی بہت پیچھے کے خانے میں چپ چاپ سو گئے تھے۔

"میں لالہ رخسار ہوں۔"

"پر رات کی لالہ سے بہت مختلف لگ رہی ہو۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پائی تھی۔ دراصل اس کا ذہن منقش جھولے پر مگن سی بیٹھی لالہ کو سوچنے لگا تھا۔

"اس وقت وہ بالکل سادہ سے حلیے میں تھی۔ لمبا سا کھلا ڈھلا چغہ نما قمیص اور بڑا سا خیمہ نما دوپٹہ جس نے اس کے سر بالوں کے علاوہ ماتھے تک کو چھپا رکھا تھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا انتہائی سرخ و سفید چہرہ جگمگا رہا تھا۔

رات کو اس نے بال کھول رکھے تھے اور جو کپڑے اس نے پہن رکھے تھے۔ وہ بھی آج کل کے فیشن کے مطابق سلوائے گئے تھے۔ اور یوں لگتا تھا کہ اس نے میک اپ بھی کر رکھا ہے۔ مگر اس وقت جھکی جھکی پلکوں والی آنکھوں میں کجلے کی دھار بھی نہیں تھی۔ کلائیاں بھی سونی تھیں۔

رات کو وہ ایک بھرپور جوان عورت کے روپ میں دکھائی دی تھی۔ مگر اس وقت ایسی بند اور پراسرار کتاب تھی جس کا عنوان تک نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔

اس سے اگلی صبح رخشہ کی اپنے شریک سفر سے ملاقات ہوئی تھی۔ بالکل روایتی سی ملاقات تھی۔ تقریباً" فجر کے قریب وہ اس کے کمرے میں آیا گویا وہ اپنا ایک فرض ادا کرنے کمرے میں آیا تھا۔

وہ ایک گھنٹے تک کمرے میں رہا تھا۔ اس دوران اس نے رخشہ سے بس گنی چنی باتیں کی تھیں۔ حالانکہ رخشہ کے ذہن میں بے شمار سوالات ابھر رہے تھے مگر حیام کے لیے دیے رویے کی وجہ سے وہ اس سے کچھ بھی پوچھ نہیں پائی تھی۔

حق اور فرض کی ادائیگی کے بعد اسے کوئی اور بات کرنے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ حالانکہ رخشہ اس کے منہ سے ایک لفظ معذرت سننے کے لیے منتظر بیٹھی تھی۔ جبکہ وہ جب تک بیڈ روم میں رہا تھا۔ بس منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھا رہا اور پھر ذرا سورج نے جھلک دکھائی تو وہ اپنے کپڑے اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہی کمرا جو شادی سے پہلے اس کی قیام گاہ تھا۔ رخشہ نے کمرے کی کھڑکی میں سے اسے اسی کمرے میں جاتا دیکھا تھا۔ وہ حیام کے ہی نہیں توقیر بیگم اور لالہ کے رویے پر بھی بری طرح سے الجھ رہی تھی۔

توقیر بیگم نے ناشتے سے کچھ پہلے رخشہ کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ یہ کمرا بے حد سادگی سے آراستہ تھا۔ کمرے میں ایک پلنگ تھا۔ تین موڑھے تھے اور اس کے علاوہ عبادت کا سامان تھا۔ تین چار جائے نماز' تسبیح' وظائف کی کتابیں۔ اور یک اور کھجور کی رنگ برنگی گٹھلیاں۔ یقیناً" گٹھلیوں کو خشک کرکے ان پر رنگ چڑھایا گیا تھا۔

ایک طرف ستو کی بوری رکھی تھی کہ وہ سارا دن ستو پیتی تھیں۔ ایک جار میں موٹی موٹی خوشبودار اور انتہائی عمدہ کھجوریں بھی رکھی تھیں۔

توقیر بیگم دن رات عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ کبھی اشراق پڑھ رہی ہوتی تھیں۔ کبھی چاشت کے نوافل ادا کرتیں۔ کبھی نصف النہار کا وقت ہو جاتا تھا۔ پھر تسبیحات' اس کے بعد ظہر' پھر تلاوت قرآن کریم کرتیں۔ عصر' مغرب' عشاء اور اس کے بعد رات کی عبادت کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ انہیں دنیا اور دنیا داری سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ ان کے دن رات صرف عبادت کے گرد گھومتے تھے۔

توقیر بیگم' حیام کی سگی پھوپھی تھیں اور شادی کے بعد بھی اسی گھر میں مقیم تھیں۔ حیام کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔

ایک زمانے میں حیام کے والد کی بے شمار زمینیں ہوا کرتی تھیں۔ فیکٹریاں و کثرت تھیں اور کچھ سیاحت کے شوق میں انہوں نے اپنے حصے کی ساری جائیداد بیچ باچ دی تھی۔ اب جو کچھ حیام کے پاس تھا۔ سب توقیر بیگم کے حصے کا تھا۔ یہ بنگلہ بھی حیام کے دادا نے بنوایا تھا اور اپنی اکلوتی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔

حیام کی پرورش توقیر بیگم نے ہی کی تھی۔ ان کی بیٹی لالہ رخسار' حیام سے چار سال بڑی تھی۔ مگر سوچنے کی بات یہ تھی کہ وہ اتنی حسین و جمیل بیٹی کے باوجود اپنے بھتیجے کے لیے باہر سے دلہن کیوں لائی تھیں؟

جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اماں جی یعنی توقیر بیگم کسی وظیفے میں مشغول تھیں۔ ان کے بارے میں اس گھر کی واحد ملازمہ صدیقہ سے پتا چلا تھا کہ اوائل عمری سے ہی اماں جی نے اللہ سے لو لگائی تھی۔ اور ان کا بیشتر وقت عبادت الٰہی میں گزرنے لگا تھا۔ رخشہ بہت دیر تک بیٹھی رہی۔ مگر اماں جی کا وظیفہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ بیٹھے بیٹھے وہ حد درجہ اکتا گئی تھی۔ اور اس کمرے میں چھائی خاموشی اور عجیب سے سناٹے نے رخشہ کو خاصا بے چین کر دیا تھا۔ پھر توقیر بیگم نے اپنا رخ اس کی طرف کیا تھا۔ اور سچ تو یہ تھا کہ ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہی رخشہ کا کلیجہ گویا حلق میں آ گیا تھا۔

جس قدر ان کی بیٹی حسین تھی۔ توقیر بیگم اتنی ہی بدصورت تھیں۔ بدصورت لفظ کہنا مناسب تو نہیں تھا تاہم انہیں کم صورت یا معمولی صورت بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

ان کا پورا چہرہ چیچک کے داغوں سے بھرا ہوا تھا۔ رنگت بہت سیاہ نہیں تھی مگر صاف بھی نہیں تھی۔ ہونٹ پتلے تھے مگر نچلے ہونٹ کا ایک کونا انتہائی سرخ اور پھولا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا پھوڑے کا ابھار ہو۔ تاہم غور سے دیکھنے پر وہ پھوڑا نہیں بلکہ کسی چیز کی ضرب سے پھولا اور ابھرا ہوا نشان لگتا تھا۔ شاید بچپن میں ان کے ہونٹ پر کسی چیز کی ضرب لگی تھی۔

آنکھیں بے تحاشا موٹی تھیں۔ گول گول ڈھیلے باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ ابلی ہوئی آنکھیں ہیں۔ انہوں کی تنقیدی نظر ان کا جائزہ لے رہی تھی۔ اوپر سے ان کے دیکھنے کا اسٹائل بھی ایسا تھا کہ رخشہ سوکھے پتے کی طرح لرز کر رہ گئی۔

"اسلام علیکم اماں جی!" اس نے خود ہی ہمت کر کے انہیں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام' جیتی رہو۔" انہوں نے جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے دعائیہ انداز میں سرہلایا۔

"آپ نے بلایا تھا؟" اسے ہر طرف چھائی خاموشی سے وحشت ہونے لگی تھی۔

"ہاں۔" انہوں نے تسبیح ایک طرف رکھ دی۔ "تمہیں یہاں پریشانی تو نہیں ہوئی؟ دل لگ گیا ہے؟"

"نہیں پریشانی کیسی؟" اسے کچھ تو بولنا ہی تھا اور بھلا وہ دل لگنے کا جواب کیا دیتی۔ جس کے ساتھ دل لگانا تھا۔ وہ صبح کا گیا رات بہت دیر سے لوٹتا تھا اور اس تک تو فجر کے بعد ہی آتا تھا اور کبھی کبھی تو آتا ہی نہیں تھا۔ ہفتے میں صرف ایک آدھ بار اسے خیال آ ہی جاتا تھا کہ ایک عورت کو وہ اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر اور اس کی تمام تر ذمہ داری اپنے سر لے کر اپنے گھر میں لایا ہے۔

"نیا ماحول ہے۔ آہستہ آہستہ دل لگ ہی جائے گا۔ بس اس کو اپنا گھر سمجھو۔ سیاہ و سفید کی مالک ہو۔ جو تمہارا دل چاہے کرو۔ پیسوں کی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لیا کرنا۔ کپڑا' کتاب مل جائے گا۔ کھانا' پینا سب کھلا پڑا ہے۔ بس خوش رہو' آباد رہو۔" انہوں نے نرمی سے کہا اور پھر تسبیح اٹھا کر اسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

وہ مرے مرے قدم اٹھاتی باہر نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

حیام بہت کم گو واقع ہوا تھا۔ دفتر سے آ کر زمینوں پر نکل جاتا تھا۔ اور پھر اس کی واپسی گیارہ بارہ بجے تک ہوتی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ بقول صدیقہ کے اسے اپنی دفتری فائلوں کو دیکھنا ہوتا تھا۔

روٹین کی بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔ نجانے کب وہ ناشتہ کرتا تھا اور کب وہ رات کا کھانا کھالیتا تھا اور اس کے آنے جانے کا بھی اسے پتا نہیں چلتا تھا۔

بہت دن تک وہ خاموشی کے ساتھ اس روٹین سے سمجھوتا کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ مگر ایک دن جب صبح کے وقت وہ اس کے بیڈ روم میں آیا تو رخشہ اس سے الجھ پڑی۔

"یہ کس قسم کی روٹین ہے آپ کی؟" حیام حسب سابق خاموش رہا تھا۔

"حیام! میری بات کا جواب دیں؟" وہ زچ ہو کر بولی۔

"میری ہمیشہ سے یہی روٹین ہے۔" اس نے بہت عجیب سے انداز میں کہا۔

"تو آپ اپنی اس روٹین کو چینج کریں۔"

"میں اپنے معمول کو نہیں بدل سکتا۔" اس کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"اور مجھے آپ کا رات بھر کمرے سے باہر رہنا بھی پسند نہیں۔ آپ کو اگر آفس ورک کرنا ہو تو اپنے بیڈ روم میں فائلیں لے آیا کریں۔"

"میری مرضی میں جہاں بھی بیٹھوں، سوؤں یا کام کروں۔ تم کون ہوتی ہو، مجھ پر پابندی لگانے والی۔" حیام نے بے حد ناگواری سے کہا یوں کہ رخشہ کے چہرے پر بھی ناگواری اتر آئی۔

"میں آپ کی بیوی ہوں اور آپ پر پورا پورا حق رکھتی ہوں۔"

"بیوی ہو تو بیوی ہی بن کر رہو۔ مجھ پر حکم چلانے کی ضرورت نہیں۔" وہ سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھا۔

"میں حکم نہیں چلا رہی۔ درخواست پیش کر رہی ہوں۔ آپ کا رات بھر ایک دوسرے کمرے میں سونا بہت سے لوگوں کو چونکا دے گا اور میں نہیں چاہتی، ہماری ازدواجی زندگی کے بارے میں کئی سوال لوگوں کے ذہن میں ابھر آئیں۔" رخشہ نے اپنے مخصوص

"یہاں پر کوئی دوسروں کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا۔"

"مگر میں تو آپ کی ذاتی زندگی میں مداخلت کر سکتی ہوں نا؟"

"نہیں۔۔۔" حیام کا لہجہ از حد روکھا ہو گیا۔ "آج اگر تم نے بات کر ہی لی ہے تو میں بھی کچھ وضاحت کر دیتا ہوں۔ اس گھر میں اگر رہنا چاہتی ہو تو زیادہ سوالات سے پرہیز کرنا۔ جو چیز جہاں رکھی ہے، اسے وہیں رہنے دینا۔ اگر تبدیلیاں لانے کی کوشش کرو گی تو سراسر تمہارا اپنا نقصان ہو گا۔ اگر کچھ انہونا یا الگ سا دیکھو تو نظر انداز کرنا۔ تجسس اور کھوج بھی تمہیں تباہی کی طرف لے جائیں گے۔" دوسرے لفظوں میں اسے خبردار کیا جا رہا تھا یا پھر دھمکایا جا رہا تھا۔ رخشہ کی پیشانی پر ایک ناگوار سلوٹ ابھر آئی۔

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجھے گونگا، بہرہ اور اندھا بن کر رہنا ہو گا؟"

"یہی سمجھ لو۔۔۔ اور یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔" اس کا انداز ہنوز خشک تھا۔ اس نے فائلیں بند کر دیں اور کمرے کی بتی بھی بجھا دی۔

☼ ☼ ☼

بہت حد تک وہ اس گھٹن زدہ روٹین سے سمجھوتا کر ہی چکی تھی۔ کمپرومائز تو بالآخر اسے کرنا ہی تھا۔ کیونکہ اس کے پاس اس گھر کے علاوہ نہ تو کوئی ٹھکانہ تھا اور نہ ہی کوئی اور آپشن۔

پیچھے مڑ کر وہ نہیں جا سکتی تھی۔ اس لیے کہ پیچھے جانے والے سارے راستے کھوٹے اور اجنبی ہو گئے تھے۔ میکے کے نام پر جن لوگوں پر اسے کبھی مان رہا کرتا تھا۔ وہ مان اور بھروسہ تو اسی لمحے ٹوٹ گیا تھا جب نوشابہ بھابھی نے اپنی بیٹی کو اچھی زندگی دینے کے لیے اس کی زندگی کو داؤ پر لگانا چاہا تھا۔

رخصتی سے چند گھڑی پہلے نوشابہ بھابھی۔۔۔ باتیں اسے ذہن نشین کروا دی تھیں۔

یہاں تک ہمارا فرض تھا۔ سو ادا کر دیا۔ اب اگلے گھر میں سلیقے سے رہنا۔ اسے اپنا آخری ٹھکانہ سمجھنا۔ لڑکی کا اصل گھر شوہر کا ہی ہوتا ہے۔ وہیں اپنا مقام اور حیثیت بنانا۔ مختصر سی فیملی ہے۔ انہیں اپنا سمجھنا، وہ تمہیں اپنا بنالیں گے مگر کچھ وقت تو بہر حال لگتا ہے۔ اپنی ادھر کی پریشانیاں ادھر مت لے کر آنا۔ اپنے بھیا کے حال پر رحم کرنا۔ اپنی بھی ہماری بچی ہے۔ اب اس کے لیے بھی کچھ سوچنا ہے۔" انہوں نے اسے اچھی طرح سے سمجھا دیا تھا کہ واپسی کے راستے اس کے لیے بند ہو چکے ہیں اور یہ کہ اس کا مرنا جینا اب اسی گھر میں ہے۔

اس دن علی الصبح اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ آج کی صبح حیام اس کے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ ورنہ تو وہی آکر اسے جگا دیتا تھا۔ وہ نماز پڑھ کر عموماً سو جاتی تھی کیونکہ کام تو ہوتا کوئی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ذمہ داری تھی۔ اور ادھر تو کچن میں ہاتھ ڈلوا کر نئی دلہن سے کام کروانے کا رواج بھی نہیں تھا۔

وہ نماز پڑھ کر سوتی تو پھر دس گیارہ بجے تک اٹھتی تھی۔ اگر بیچ کے دنوں میں حیام چند گھڑیوں کے لیے آجاتا تو پھر اس کی روٹین کچھ اور ہو جاتی تھی۔

اس دن دوبارہ سونے کی کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آئی تھی۔ سو وہ کروٹیں بدلنے کا ارادہ ترک کر کے اٹھ گئی تھی۔

فریش ہونے کے بعد کمرے میں رہنے کے بجائے وہ باہر آگئی۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ معمول کے مطابق خاموشی اور سناٹے ہی استقبال کریں گے۔ مگر ڈائننگ ہال سے آنے والی آوازوں اور دبی دبی ہنسی نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

پورے دو ماہ اور ستائیس دن بعد اس نے کسی ذی روح کی بے فکری ہنسی کی آواز سنی تھی۔ بھلا وہ ٹھٹھکتی یا چونکتی کیوں نہ۔

"اس خاموش محل میں بھی بھلا کوئی ہنس سکتا ہے؟" گویا چڑیل کے لیے حیران ہی تو رہ گئی تھی۔ ظاہر

کی بات ہے۔ آج تک اس نے لالہ یا پھر حیام کو ہنستا تو دور کی بات کھل کر مسکراتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ تو قیم بیگم تو گویا صدیوں تک کا چہرہ بھی سپاٹ ہی دکھتا تھا۔

وہ اندازے سے چلتی ہوئی ڈائننگ ہال تک آگئی تھی۔ جوں ہی اس نے اندر قدم رکھا تھا۔ ہنسی کی آواز ایک دم تھم سی گئی۔ لالہ رخسار حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ گویا وہ کہنا چاہتی تھی کہ "تم بھلا کیسے وقت سے پہلے اٹھ گئی ہو؟"

اسی طرح حیام بھی کچھ متحیر تھا۔ یعنی اسے بھی رخشہ کے اتنی جلدی کمرے سے باہر آجانے کی توقع نہیں تھی۔ وہ دفتر جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا اور لالہ اس کے قریب جھکی نجانے کیا کہہ رہی تھی۔ چہرے پر شفق اور گلال بکھرا تھا۔ جوں ہی وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی تھی۔ لالہ کی مسکراہٹ سمٹ کر رہ گئی۔ حیام کے چہرے کے تاثرات بھی ایکدم سپاٹ ہو گئے تھے۔ ڈائننگ ہال میں گویا موت کا سناٹا پھیل گیا۔

"آپ لوگ خاموش کیوں ہو گئے؟" کچھ دیر پہلے کی تازگی اور خوشگواری کا تاثر ہلکا ہو گیا تھا۔ اسی لیے رخشہ گھبرا کر بول اٹھی۔ اسے لالہ اور حیام کا ہنستا بولنا اچھا لگا تھا۔ اتنے دنوں بعد اس نے جمود کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تم جلدی اٹھ گئیں؟" لالہ نے بمشکل ایک دوسرے سے جڑے لبوں کو کھول کر بولنے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں اس کے نقوش عجیب ہو گئے تھے۔

"ہاں، بس آنکھ کھل گئی۔۔۔ آپ ابھی تک آفس نہیں گئے۔" وہ لالہ کو جواب دے کر حیام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"نہیں۔" جواب مختصر تھا اور وہ اخبار کھول کر اپنے سامنے پھیلا چکا تھا۔

"میں ناشتہ کیے بغیر آفس نہیں جاتا۔" حیام نے شاید سوچا تھا کہ اس کا جواب حد درجہ روکھا ہے۔ کبھی اخبار ہٹائے بغیر اس نے ان چند جملوں کا بھی اضافہ کر لیا۔

"میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔" رخشندہ محض اتنی سی توجہ پاکر ہی پھول کی طرح کھل اٹھی۔

"تم رہنے دو۔ حیام کے لیے ناشتہ میں لاتی ہوں۔" لالہ نے اسے اٹھتے دیکھ کر جس بے ساختہ انداز میں اسے ٹوکا تھا۔ رخشندہ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی کچھ چونک کر سنبھل گئی۔

"میں تم دونوں کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔" فی الفور اس نے لفظوں میں تبدیلی کی۔

"نہیں، آپ رہنے دیں۔۔۔ میں اپنا اور حیام کا ناشتہ بناؤں گی۔ مجھے حیام کے لیے ناشتہ بنانا اچھا لگے گا۔" اس نے بغیر جھجکے لالہ کی آنکھوں میں براہ راست دیکھ کر کہا تھا یوں کہ ایک دم حیام نے اخبار سے نظر ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں اخبار پر جما دیں۔ شاید وہ لالہ کے کچھ بولنے کا منتظر تھا۔ مگر جب لالہ کچھ نہ بولی تو اسے کہنا ہی پڑا۔

"لالہ کو خبر ہے۔ میں ناشتے میں کیا لیتا ہوں۔ تم کہاں تردد کرو گی۔"

"تردد کیسا؟ میرے لیے اس سے بڑی خوشی بھلا کیا ہو سکتی ہے۔ مجھے آپ کے لیے ناشتہ بنا کر خوشی محسوس ہو گی۔" اپنے گھر میں اسے کچن سے باہر نکلنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اور یہاں اسے کچن میں جانے نہیں دیا جاتا تھا۔ بات تو کچھ عجیب ہی تھی۔

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش نہیں ہوتے میری جان! تم یہاں اطمینان سے بیٹھو۔ میں ابھی ناشتہ لاتی ہوں۔ پچھلے تیرہ چودہ سالوں سے حیام کے لیے ناشتہ بنا رہی ہوں۔ یہ کام میرے ذمے ہی رہنے دو۔ تم کیوں جان کھپاتی ہو۔۔۔؟" وہ بڑے پیار بھرے لہجے میں نہایت حلاوت سے بول رہی تھی۔ بہت ہی میٹھا شہد آگیں انداز تھا۔

"کوئی بات نہیں، آج آپ دونوں میرے ہاتھ سے بنا ناشتہ کر لیں۔ مجھے یقین ہے حیام کو بہت پسند آئے گا۔" اس نے بھی بے تکلفی کی فضا قائم کرنے کے لیے خوش دلی سے کہہ دیا تھا تاہم لالہ کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔

"یہ ممکن نہیں۔ حیام میرے ہاتھ کے ذائقوں کا عادی ہے۔" اس نے بھی بظاہر بہت خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔

"پہلے کھا کر تو دیکھیں۔" رخشندہ نے لالہ کو چھیڑا۔

"بہت اعتماد ہے خود پر؟" لالہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"وہ تو ہے۔"

"دھیان رکھنا۔ یقین، اعتماد، اعتبار اکثر ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔" وہ اسے خبردار کر رہی تھی۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" رخشندہ پر یقین تھی۔

اسی پل حیام نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

"مجھے لگتا ہے، آج خالی پیٹ ہی دفتر جانا پڑے گا۔" وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا جب لالہ نے سرعت سے حیام کے ہاتھ پر اپنا کنول جیسا ہاتھ رکھا۔

"غصہ کیوں کرتے ہو، بس میں ابھی ناشتہ لائی۔"

دوسرے ہی پل وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ باہر نکل گئی تھی اور صرف دس منٹ کے اندر اندر واپس بھی آ گئی۔

تلا ہوا پراٹھا، کلیجی، گردے اور دل کا بھنا ہوا سالن ۔۔۔ اور ساتھ میں گرما گرم چائے۔

"تمہارے لیے بھی پراٹھا ہی لاؤں؟" وہ بہترین سروس دینے کے لیے مستعد کھڑی تھی۔

"نہیں، بریڈ لوں گی۔" رخشندہ اس قدر مرغن ناشتہ کر کے طبیعت کو بھاری نہیں کرنا چاہتی تھی۔

حیام نے رغبت سے ناشتہ کیا تھا اور پھر نرم سی نظر لالہ کی طرف ڈال کر ان دونوں کو مشترکہ خدا حافظ کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا مگر نجانے کیوں رخشندہ کے حلق میں نوالہ اٹک کر رہ گیا۔ اس کی نظریں ڈائننگ روم کی کھلی کھڑکی سے پورچ تک جا رہی تھیں۔

لالہ کچن میں چلی گئی تھی اور پھر دوسرے دروازے سے حیام کے پیچھے پورچ تک چلی آئی۔ وہ اسے کوٹ پہنا رہی تھی جب رخشندہ کی نظر نے اس منظر کو دیکھا تھا۔ یہ لالہ کا معمول تھا مگر رخشندہ اس معمول سے ناواقف تھی۔ اسی لیے اسے یہ منظر بہت اجنبی اور

عجیب لگ رہا تھا۔ اس کے دل میں اس لمحے بہت زور سے کانٹا چبھا تھا اور غیر ارادی طور پر آنکھوں کی شفاف سطح بھیگتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

دوسری صبح وہ لالہ اور حیام کے اٹھنے سے پہلے ہی کچن میں چلی آئی تھی۔ آج وہ ہر صورت حیام کے لیے اپنا من پسند ناشتہ بنانا چاہتی تھی۔

خوش قسمتی سے اسے کچن خالی ملا تھا اور وہ اپنی پسند کا ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ رخشندہ جب تک میز پر ناشتہ سجا کر فارغ ہوئی تھی۔ اتنی دیر میں لالہ بھی اٹھ کر آ گئی۔ اور اس کی آنکھیں تحیر کے عالم میں پھیلتی چلی گئی تھیں۔

"یہ سب کس نے کیا؟" لالہ کی آنکھوں میں واضح ناگواری در آئی۔

"میں نے۔" رخشندہ نے خوشی خوشی بتایا۔

"کیوں؟" لالہ کا لہجہ ہی نہیں انداز بھی خاصا تلخ تھا۔

"حیام کے لیے۔"

"کیا بنایا ہے؟" لالہ نے آگے بڑھ کر ڈونگے کے ڈھکن اٹھانے شروع کیے۔ بھنے ہوئے چنے، حلوہ اور خستہ خستہ پوریاں۔

"یہ سب حیام کھائے گا؟" لالہ اب اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو ہونق سی کھڑی لالہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

"جی۔" اس کے منہ سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"ہونہہ! وہ یہ حلوہ پوریاں نہیں کھاتا۔" لالہ نے نخوت سے کہا۔

"مگر آج کھا لیں گے۔" نجانے اس کے منہ سے کیسے پھسل گیا۔

"کبھی نہیں، وہ اس ناشتے کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔" لالہ کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔

رخشندہ مزید تکرار کیے بغیر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ حیام آج ادھر ہی سو رہا تھا۔ وہ جھک کر حیام کو جگانے

لگی۔ کچھ دیر بعد حیام اٹھ کر فریش ہونے چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو رخشندہ نے کہا۔

"ناشتہ کر لیں۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"آ رہا ہوں تم جاؤ۔" وہ باہر نکل کر اپنے دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ رخشندہ ڈائننگ ہال میں آ گئی۔ اس کا تیار کیا گیا ناشتہ اسی طرح سے سجا ہوا تھا مگر ساتھ میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ لالہ، پراٹھے انڈے اور دودھ رکھ گئی تھی۔ حیام کی آمد کے ساتھ وہ کسی مستعد ویٹر کی طرح اس کے دائیں جانب کھڑی ہو گئی۔ رخشندہ ساری صورت حال سمجھ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر مختلف چیزیں حیام کے سامنے رکھنا شروع کر دیں۔

"یہ حلوہ، پوری اور چنے کس نے بنائے؟" حیام، لالہ سے پوچھ رہا تھا۔

"رخشندہ نے۔" لالہ ایک ادا سے مسکرا دی۔

"یہ اٹھا لو۔" حیام نے ڈونگہ پیچھے کھسکا کر رخشندہ کو حق دق کر دیا۔

"مگر۔"

"کیا اگر مگر۔۔۔ میں یہ سب نہیں کھاتا، آئندہ زحمت مت کرنا۔ میں لالہ کے ہاتھ سے بنے کھانوں کا عادی ہوں۔"

"مگر اب آپ کو کچھ اور ذائقوں کا بھی عادی ہونا پڑے گا۔" احساس توہین سے رخشندہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"میری جان! غصہ نہیں کرتے۔ حیام کی بات پر غصہ نہیں کرو۔" لالہ پھر بڑے میٹھے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم ہمارے بیچ میں مت بولو۔" رخشندہ نے غصے سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ لالہ لب بھینچے خاموش ہو گئی تھی۔

"تم لالہ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟" حیام ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ ہمارے بیچ میں کیوں بولتی ہے۔" رخشندہ بغیر خوف زدہ ہوئے بلند آواز میں بولی۔

"یہ ہمارے بیچ ہمیشہ بولتی رہے گی۔" حیام چبا چبا کر

گویا ہوا۔
"اور مجھے یہ ہرگز پسند نہیں۔"
"نہ ہو۔" حیام کا اطمینان قابل دید تھا۔
"حیام ——" وہ کانپ کر رہ گئی۔ "آپ اپنی بیوی پر ایک کزن کو فوقیت دے رہے ہیں؟" صدمے کی شدت سے رخشہ کی آواز پھٹ گئی۔
"جو مرضی سمجھ لو۔" حیام کو گویا پرواہی نہیں تھی اور وہ غصے سے بھڑک رہی تھی۔
"سمجھ تو میں بہت کچھ رہی ہوں۔" رخشہ تلخ لہجے میں بولی۔
"اپنی زبان کو لگام دو۔" حیام آگ بگولا ہوا۔
"کیوں؟ سچ کڑوا لگتا ہے۔" بہت دنوں سے جمع شدہ بھڑاس کو گویا روزن مل گیا تھا۔
"بکواس بند کرو۔" حیام غصے کے عالم میں اس کی سمت بڑھا۔ تب ہی لالہ نے ہاتھ آگے کرکے اسے روک لیا۔
"جانے بھی دو حیام! غصہ کیوں کرتے ہو۔ بس کرو، رخشہ ابھی نا سمجھ ہے۔" لالہ کے لفظوں میں جادو تھا یا اس کے ہاتھ کے لمس میں —— حیام گویا ایک معمول کی طرح واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔
"ناشتہ کرو حیام! تمہیں دفتر سے دیر ہو رہی ہے۔" لالہ کے کہنے کی دیر تھی۔ حیام خاموشی کے ساتھ ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس نے دوبارہ سر ہی نہیں اٹھایا۔ کچھ بولا ہی نہیں۔ یوں گویا وہ کمرے میں موجود ہی نہیں تھی۔ ایسی فرماں برداری —— اس قدر تابع داری، رخشہ کو لگ رہا تھا۔ کچھ دیر تک اور اگر اس ماحول میں موجود رہی تو پھر سے پھٹ پڑے گی۔ وہ پیر گھسیٹتی باہر نکل گئی تھی اور لالہ اس کے منظر سے ہٹ جانے پر فتح مندی سے مسکرادی۔

☼ ☼ ☼

لائبہ کے مجبور کرنے پر بالآخر نوشابہ بھابھی کو طلاب کے لیے ہاں کرنا پڑی تھی۔ ویسے بھی طلاب میں کوئی کمی نہیں تھی جو اسے ریجیکٹ کیا جاتا۔

لائبہ کی شادی میں اس کی سسرالی فیملی میں سے حیام سمیت کسی نے بھی شرکت نہیں کی تھی اور یہی بات نوشابہ بھابھی کو بھی خاصی کھٹک رہی تھی۔
جس دن لائبہ، طلاب کے ساتھ کراچی گئی تھی۔ اسی دن رخشہ بھی اپنے گھر آگئی۔ یہاں پر سب کچھ ویسا ہی تھا۔ گھٹا گھٹا سا خاموش ماحول۔ توقیر بیگم کا وہی عبادت کا انداز تھا۔ اور لالہ رخسار کا معمول بھی وہ ہی۔ اسے دیکھ کر لالہ خیر سگالی کے طور پر مسکرادی۔
"کر آئی ہو بھتیجی کی شادی؟"
"جی، مگر ایک افسوس ہے۔"
"کیا؟" لالہ چونکی۔
"آپ شادی میں کیوں نہیں آئیں؟"
"حیام تو گیا تھا نا —— میرا جانا ضروری نہیں تھا۔ ویسے بھی پچھلا پورا ہفتہ میں عبادت میں مصروف رہی ہوں، چاند کی آخری تاریخوں میں ہم گھر سے باہر نہیں نکلتے بس رات دن عبادت کرتے ہیں۔" لالہ نے وضاحتی انداز میں کہا تھا۔ وہ اس وقت بھی لمبا سا چغہ پہنے ہوئے، ماتھے تک دوپٹہ لیے تسبیح پڑھنے میں مصروف تھی۔ ایسی عبادت گزار عورتوں پر بھلا شک کیا جا سکتا ہے؟ مگر رخشہ اول روز سے لے کر اب تک، جو کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے نظر انداز بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔
"حیام بھی کہاں آئے تھے۔" رخشہ نے افسردگی سے بتایا۔ "میں نے اتنی دفعہ کال بھی کی تھی۔"
"اچھا ——" لالہ نے حیران ہونے کی اداکاری کی۔ "مجھے تو اس نے یہی بتایا تھا کہ وہ شادی میں شرکت کرنے جا رہا ہے۔"
"تم حیام سے پوچھو نا!" وہ تسبیح کی طرف متوجہ تھی۔
"کیا؟" رخشہ نے پوچھا۔
"یہی کہ تمہاری بھتیجی کی شادی میں کیوں نہیں گیا۔"
"یہ بات بھی تم ہی پوچھ لینا۔ میرے پاس آتے ہی کہاں ہیں۔" رخشہ کا انداز صاف طنزیہ تھا۔

رخشندہ کے لفظ لفظ میں تلخی کی بو رچی تھی۔ ایک بات تو روز روشن کی طرح ــــ عیاں ہوتی جارہی تھی کہ حیام اور رخشندہ کے درمیان فاصلوں کی اصل وجہ "لالہ رخسار" کی ذات ہے اور وہ حیران تھی کہ بھلا ایسا کیوں ہے۔ اگر حیام اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو پھر بھلا اسے کس نے مجبور کیا تھا۔ وہ خود مختار تھا۔ انکار کر دیتا۔ وہ بہت سی الجھنوں کا شکار تھی اور ان الجھنوں کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

"یہی بات حیام کے سامنے کہنا۔" لالہ نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"مجھے کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے توسط سے خود بخود یہ بات حیام تک پہنچ جائے گی۔" رخشندہ کے طنز نے لالہ کو بری طرح سے تلملا کر رکھ دیا۔

"تم اپنے لہجے اور لفظوں پر کنٹرول کیا کرو۔ ورنہ ایک دن نقصان اٹھاؤ گی۔"

"ہمیشہ سے نقصان میں رہنے والوں کو کسی خسارے کا ڈر نہیں رہتا۔"

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟" لالہ رخسار کے قندھاری رخسار غیظ و غضب سے سرخ خون رنگ ہوگئے۔

"جس جگہ کھڑی ہو نا، ایک جھٹکے سے اس منصب سے ہٹا سکتی ہوں تمہیں۔"

"بس اسی بات کا غرور ہے؟" رخشندہ اندر سے کانپ کر رہ گئی تھی تاہم اس نے لہجے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"پچھتاؤ گی تم؟"

"نجانے کس نے پچھتانا ہے۔" رخشندہ پھیکے انداز میں بولی۔ "وقت اور حالات بدلتے دیر نہیں لگتی اور غرور تو بادشاہوں کو بھی لے ڈوبتا ہے۔"

"تم مجھے سمجھاؤ گی اب۔" لالہ پھر سے تلخ ہوئی۔ حالانکہ اس کی تلخی گھڑی بھر کے لیے ہوتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر وہی شہد آگیں لہجہ لوٹ آتا تھا۔

"نہیں، ہم کیا اور ہماری اوقات کیا۔" رخشندہ نے پھر سے طنزیہ لہجہ اپنایا۔ "ویسے ایک بات تم سے کہنا تھی۔"

"کیا؟" لالہ چونکی۔

"حیام کے اور میرے بیچ مت آیا کرو۔"

"تم پھر غلط لفظ استعمال کر رہی ہو۔" لالہ بھڑک اٹھی۔

"یہ غلط بات نہیں۔ تمہارا حیام کے ساتھ رویہ مجھے عذاب میں مبتلا کر رہا ہے۔" رخشندہ نے گویا تھک کر کہا۔

"ہم پر تو اس سے بھی بڑے بڑے عذاب اترے ہیں۔" لالہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔

"تو پھر مجھے اپنے عذابوں میں حصہ دار کیوں بنالیا ہے؟" رخشندہ ایکدم آگ بگولہ ہو اٹھی۔

"میرے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔ ورنہ تمہیں نہ خواب دیتی نہ عذاب۔" لالہ کی آنکھوں میں لالیاں اتر آئیں۔ "جاؤ، جا کر اپنا کام کرو۔ آرام کرو، یا جو چاہے کرو۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔" ایک دم لالہ کو نجانے کیا ہوا تھا۔ وہ زور زور سے ہلتے ہوئے تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئی تھی۔

رخشندہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

یہ کچھ دن بعد کی بات تھی۔ اس دن حیام کا موڈ بہت خوشگوار تھا اور اس نے رخشندہ کو اچھے سے تیار ہونے کا کہا تھا مگر ساتھ تنبیہہ بھی کی تھی کہ تیار ہو کر کمرے سے باہر مت آنا۔ چونکہ پچھلے کچھ دنوں سے اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔ اس لیے رخشندہ نے بھی گزرے بہت سارے دنوں کے شکوے شکایات کی فائلیں کھول دی تھیں۔

رخشندہ نے شادی کی پہلی رات حیام کے اپنے کمرے میں نہ آنے کا شکوہ بھی بالآخر کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے تو چپ ہو گیا اور پھر اس نے خود ہی دھیمی آواز میں بتا دیا۔

"اس رات میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا۔ گویا دماغ میں سوئیاں چبھ رہی ہیں۔ نیند تھی کہ راستے میں تو میرے دماغ پر سوار ہو رہی تھی۔ گھر آکر میں اپنے کمرے میں سو گیا تھا۔ تمہارے پاس آ ہی نہیں پایا۔ اگر میری طبیعت ٹھیک بھی ہوتی تو تب بھی میں اس رات تمہارے پاس نہیں آسکتا تھا۔ یہ ہماری رسومات اور روایت میں شامل نہیں۔ بیوی کے کمرے میں سونا بھی اچھا تصور نہیں کیا جاتا۔ بہت سال پہلے تو اس خاندان کے مرد زنان خانے میں آتے ہی نہیں تھے۔ کبھی کبھار ضرورت کے تحت ہفتے میں ایک دو دن اندرونی حصے میں قیام کی اجازت تھی۔ تم ان چیزوں پر زیادہ غور مت کیا کرو۔ بس خوش رہا کرو اور پلیز لالہ کے ساتھ الجھنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ لالہ اپنی ذات میں بہت تنہا ہے رخشندہ! تم اس کی ایک اچھی دوست بن جاؤ۔ تم تو پڑھی لکھی ہو، تعلیم یافتہ ہو۔ بہت سی باریکیوں کو بھی سمجھ سکتی ہو لالہ بری نہیں۔ تم اگر۔"

لالہ نامہ کھل چکا تھا۔ اسی لیے رخشندہ بیزار ہو گئی تھی۔ عجیب بات یہ تھی لالہ کا ذکر چھیڑتے ہی اسے نیند بھی آجاتی تھی۔

حیام کا رویہ بھی ہمیشہ دھوپ چھاؤں جیسا ہوتا تھا۔ کبھی تو اتنا مہربان ہو جاتا کبھی بلا کا لاتعلق اور اجنبی بن جاتا۔ گویا رخشندہ کو جانتا ہی نہ ہو۔

حیام فطرتاً "نرم مزاج، بہت سنجیدہ اور کم گو بندہ تھا۔ وہ اس کا خیال رکھنے کی کوشش بھی کرتا تھا اور اسے اپنی محبت سے سرفراز بھی کرتا تھا۔ مگر لالہ کے بارے میں کچھ بھی کہنا، سننا حیام کو گوارا نہیں تھا۔ وہ لالہ کی وجہ سے رخشندہ کے ساتھ الجھ پڑتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رخشندہ "لالہ" کا احترام نہیں کرتی۔ جبکہ رخشندہ تو تصور کی آنکھ سے کچھ اور دیکھ رہی تھی۔

اس دن حیام کی فرمائش پر وہ تیار ہونے کے لیے اپنے سوٹ کیس اور الماری کھولے بیٹھی تھی۔ دراصل شادی کے بعد توقیر بیگم نے اسے سختی سے بار سنگھار کرنے سے منع کر دیا تھا۔

"جو کچھ کرنا ہو۔ اپنے کمرے میں کیا کرنا۔ گھر میں جوان لڑکی موجود ہے۔ ہم نہیں چاہتے، تمہیں دیکھ کر اس کے اندر کی دبی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ اور ہماری بچی کی پاکیزہ سوچیں آلودہ ہو جائیں۔" رخشندہ نے حرف حرف ان کی بات کو سمجھ لیا تھا۔ اور نہ صرف سمجھا بلکہ عمل بھی کیا تھا۔

الماری کھولی تو اسے عروسی لباس والا بھاری ساڑی دکھائی نہیں دیا۔ وہ لباس جو اتنے شوق اور چاؤ سے بنوایا تھا مگر جسے حیام نے اک نظر بھی نہیں دیکھا۔ وہ ڈبہ الماری میں نہیں تھا۔ رخشندہ کو خواہ مخواہ اپنی شادی والی خوفناک رات یاد آگئی تھی۔ اور حیام کے بے تاثر چہرے اور لالہ کی آنکھوں کی چمک بھی پھر سے کلک کر کے روشن ہو گئی تھی۔ رخشندہ نے سر جھٹک کر سوٹ کیس اور پھر بیڈ کے نیچے والی جگہ پر بھی دیکھ لیا۔ اس کے لہنگے والا ڈبہ کہیں نہیں تھا۔ میک اپ والی دراز کھولی تو خالی دراز کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا۔ دراز بالکل خالی تھی۔ ایک لپ اسٹک بھی موجود نہیں تھی۔ اس کے چار پانچ پرفیومز اور باڈی اسپرے بھی غائب تھے۔ رخشندہ تو گویا ہکا بکا رہ گئی تھی۔

ایک دفعہ پھر سے الماری کھول کر کپڑے چیک کیے تو جہیز کی ساڑھی اور تین چار قیمتی اور بھاری سوٹ کے ساتھ کی جوتیاں تک غائب تھیں۔ لاکر کھولا تو زیور نہیں تھا۔ رخشندہ تو گویا خوف سے منجمد ہو گئی تھی۔

"میرا سامان کہاں گیا؟ کیا بھوت پریت لے گئے ہیں؟ اس گھر میں بھلا چور کون ہو سکتا ہے؟ کسی پر الزام بھی تو نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ صدیقہ ان کی خاندانی ملازمہ تھی۔ کئی طرح کے حساب کتاب اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس پر چوری کا الزام لگا کر وہ توقیر بیگم کو بھڑکانا نہیں چاہتی تھی۔ اور لالہ صاحب جائیداد ہونے کے ساتھ ساتھ اس گھر کی بیٹی تھی۔ اسے رخشندہ کی اترن کی کیا ضرورت تھی۔ اس وقت تو رخشندہ خاموش ہو گئی تھی۔ حیام تک کو بھی خبر نہ ہونے دی۔ وہ خود بھی مورد الزام ٹھہرائی جا سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

سر سے پیر تک چادر میں لپٹی لالہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ دن کو ہمیشہ وہ ملگجے حلیے میں ہی دکھائی

دیتی تھی۔ اتنی بڑی خیمہ نما چادر ہوتی تھی کہ کپڑوں کا رنگ اور ڈیزائن تو نظر ہی نہیں آتا تھا۔

"صدیقہ! کہاں ہو؟ جلدی آؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔" لالہ چہرے پر نقاب کرتی صدیقہ کو دبی آواز میں بلا رہی تھی۔ صدیقہ بھی اس کی آواز سنتے ہوئے چپکے سے آ گئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" رخشندہ نے حیرت سے پوچھا۔ وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھی اور ان دونوں کو چپکے چپکے باتیں کرتا دیکھ رہی تھی۔ نجانے ہر جمعرات کی شب لالہ، صدیقہ کے ہمراہ کہاں جاتی تھی۔ اور واپسی پر بھی اس کی عجیب و غریب حرکتیں ہوتی تھیں۔ وہ آتے ساتھ اپنے کمرے میں گھس جاتی۔ پھر کچھ دیر بعد کچن میں دکھائی دینے لگتی تھی۔ کوئلے سلگا کر نجانے ان پر کیا چھڑکتی تھی کہ پورے گھر میں دھواں دھواں پھیل جاتا تھا۔ توقیر بیگم کے کمرے کے علاوہ ہر کمرے میں دھونی دی جاتی۔ ایسی ناگوار بو ہوتی تھی کہ رخشندہ کے دماغ میں گھس جاتی۔ کچھ دیر بعد مرچوں کو چولہے پر رکھ کر آگ جلا دی جاتی تھی اور پھر تین گھنٹے اسی عمل کو بار بار دوہرایا جاتا تھا۔ پھر تعویذ جلائے جاتے۔ یہ سب گھر کی خیر و برکت کے لیے کیا جاتا تھا۔

"سائیں جی کے حجرے تک۔" لالہ نے سرسری انداز میں بتایا تھا اور ایک دم رخشندہ کو نجانے کیا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"میں بھی ساتھ چلوں۔"

"تم۔" لالہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ "تم کیا کرو گی وہاں جا کر؟"

"جو تم کرو گی۔" رخشندہ اطمینان سے بولی۔

"میں ۔۔۔ میں، تو دعا کے لیے جاتی ہوں۔" لالہ گڑبڑا کر بولی۔

"اور میں بھی دعا کے لیے ہی جاؤں گی۔"

"تمہیں اور کیا چاہیے۔ سب کچھ تو مل گیا ہے تمہیں۔" لالہ گویا بپھر کر بولی۔ ایک دم اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئی تھیں۔ "مزاروں پر دھکے تو ہم جیسے کھاتے ہیں۔ جو خالی دامن ہوتے ہیں۔"

"تم قبروں سے مانگنے جاتی ہو؟" رخشندہ کو گویا شاک لگا۔ "مٹی کی ڈھیریاں کیا جھولی بھرتی ہیں؟"

"میرا اعتقاد ہے۔"

"بڑا غلط اعتقاد ہے۔ تم اللہ سے کیوں نہیں مانگتیں، وہ تو بڑا مہربان ہے اپنے بندوں پر۔"

"مگر مجھ پر مہربان نہیں۔" وہ عجیب باغی انداز میں بولی۔

"اللہ سے ڈرو، اس طرح نہیں بولتے۔" رخشندہ دہل اٹھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں۔ بہت مانگا ہے اس سے۔ بے تحاشا مانگا ہے مگر کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ نہ تنہائی کی قید سے آزادی ملی ہے۔ نہ زندگی کے بوجھ سے چھٹکارا۔"

"تمہاری دعا کا قصور نہیں تمہاری نیت کا قصور ہے۔ خالص نیت سے مانگ کر تو دیکھتیں۔ رحمتوں کی برسات ہو جاتی تھی۔" رخشندہ کا انداز ناصحانہ تھا لالہ اس کی مزید نصیحتوں کو سننے کے لیے رکی نہیں تھی۔

لالہ کے چلے جانے کے بعد پورے گھر میں سناٹا اتر آیا۔ حالانکہ وہ بھی اتنا نہیں بولتی تھی مگر صدیقہ اور لالہ کی موجودگی سے دل کو ڈھارس سی رہتی تھی۔ اور اس وقت گھر کے سناٹے عجیب سے خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔ نجانے یہ کیسا خوف تھا جو اس گھر کے در و دیوار سے لپٹا ہوا تھا اور یہی خوف اب رخشندہ کے دل میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ کافی دیر گزر گئی تھی جب نجانے کب چپکے سے توقیر بیگم اس کے برابر آ کر بیٹھ گئیں۔

رخشندہ اپنے ہی دھیان گیان میں گم تھی۔ اسی لیے انہیں اچانک بیٹھا دیکھ کر خوف سے اچھل پڑی۔ ظاہر ہے اتنے مہینوں میں پہلی مرتبہ رخشندہ نے انہیں کمرے سے باہر بیٹھا دیکھا تھا۔

"ڈر گئی ہو؟" وہ نرمی سے مسکرائی تھیں تاہم ان کے نقوش پھیل کر کچھ بھیانک ہو گئے تھے۔

"جی، بس پتا نہیں چلا۔" رخشندہ گڑبڑا کر بولی۔ حالانکہ وہ کہنا چاہتی تھی کہ جب سے اس گھر میں آئی ہے۔ بس ڈرے ہی جا رہی ہے اول روز سے اب تک

ایسے ایسے عجیب و غریب واقعات وقوع پذیر ہو رہے تھے۔

"لالہ کہاں گئی؟"

"کسی سائیں جی کے حجرے تک گئی ہے۔" رخشندہ کو جتنا معلوم تھا۔ بتا دیا۔

"بے چاری لالہ!" توقیر بیگم اس قدر بے ڈھنگے پن سے ہنسی تھیں کہ رخشندہ کا دل پھڑکنے لگا۔ بھلا اس میں ہنسنے والی کیا بات تھی؟

"کوئی فائدہ نہیں، جہاں مرضی ناک رگڑ آئے۔ کچھ حاصل نہ ہو گا۔ میں نے جو کرنا تھا کر دیا۔ اپنی ضد پوری کی اور اسے اپنے ہی جیسے ایک کمرے کی قبر میں قید کر دیا۔ ایسا ہی ایک خیمہ اس کے وجود پر لپیٹ کر میں نے اپنے سارے حساب بے باق کر لیے ہیں۔ اب میرے دل میں کوئی ملال نہیں۔" وہ اپنے جسم سے لپٹی چادر کے پلو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے عجیب ابنارمل انداز میں کہہ رہی تھیں۔ یوں کہ رخشندہ کا دل اور بھی خوف زدہ ہو گیا۔

"میں سمجھی نہیں۔" وہ کپکپاتے لہجے میں بمشکل بولی۔ پسینے کے چند قطرے اس کے ماتھے پر ابھر آئے تھے۔

"تم بھلا کیسے سمجھ پاؤ گی۔ یہ تمہاری سمجھ سے اوپر کی بات ہے۔" انہوں نے پھر سے چادر کے پلو پر ہاتھ پھیرا۔

"اماں جی! میرے اندر بہت گھبراہٹ ہے۔ عجیب سے اندیشے اور وسوسے پریشان کرتے ہیں۔ جی چاہتا ہے یہاں سے بھاگ جاؤں۔ ہر وقت وجود پر عجیب سی سستی چھائی رہتی ہے۔ سوتے میں یوں لگتا ہے کہ گویا کوئی سوئیاں چبھو رہا ہے۔" وہ اپنے خوف اور بے چینیوں کی وضاحت نہیں کر پائی تھی۔ خصوصاً جب وہ اپنے کمرے میں ہوتی تھی تب کچھ زیادہ ہی خوف اور گھبراہٹ اس پر سوار ہو جاتی تھی۔

"پریشان مت ہوا کرو۔ معوذتین پڑھا کرو نحوست ہے تعویذوں کی۔ میرے وظیفوں سے خود بخود زائل ہو جاتی ہے۔ اس کے سارے وار بیکار جاتے ہیں۔ کوئی عمل پورا نہیں ہو پاتا۔ ورنہ اب تک مجھے کب کی ہرا کر رکھ دیتی۔" توقیر بیگم کا انداز مبہم اور پراسرار قسم کا تھا۔

"کک ۔۔۔ کون ہرا دیتا؟" اس نے لکنت زدہ لہجے پر قابو پا کر پوچھا۔

"یہی، جو سائیں جی سے تعویذ لا کر جلاتی ہے۔ جادوگرنی کے سارے وار بے کار گئے۔" انہوں نے حقارت سے کہا تھا۔

"کالے جادو کی نحوست سے تمہارا دل گھبراتا ہے۔ تم غم نہ کھاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس حیام کو مٹھی میں کر لو۔" انہوں نے باہر کو ابلے ڈیلوں کو گھما کر دیکھا۔

"بھلا کیسے؟" اس نے خوف کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا۔

"بیوی ہو اس کی ۔۔۔ اپنی مٹھی میں کر لو۔ جب وہ تمہارا ہو گیا تو پھر میں اپنی ساری جائیداد تم دونوں کے حوالے کر دوں گی۔ پر اس لالہ کو ایک دھیلا تک نہ دوں گی۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔" ان کے لفظ لفظ سے نفرت پھوٹ رہی تھی۔ اس نفرت کا حصار صرف لالہ کے اردگرد تھا۔ نجانے ان ماں بیٹی میں کیسی عداوت چل رہی تھی۔ رخشندہ تو جتنا سوچتی تھی اسی قدر ۔۔۔ ٹوٹ جاتی۔

"لالہ سے آپ کی ناراضی چل رہی ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ انہوں نے ایک دفعہ پھر سے پورے ڈیلے گھما ڈالے۔

"صرف ناراضی۔ نفرت ہے مجھے اس کتیا سے۔" انہوں نے حقارت کی انتہا کر ڈالی۔ فرش پر تھوک دیا۔

"نفرت؟ پر کیوں؟" اس کی نوک زبان پر سوال مچل رہے تھے۔

"سب پتا چل جائے گا۔ اس "جادوگرنی" نے حیام پر جادو چلا رکھا ہے۔ تعویذ گھول گھول کر پلاتی ہے۔ تبھی تو وہ کسی کی نہیں سنتا۔ بس اس جادوگرنی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔"

"ایسا کیوں ہے؟ لالہ ایسا کیوں کرتی ہے؟" وہ

بے تابی سے بولی۔

"ہونہہ، جو بھی کرلے، جو بھی چاہے، بامراد پھر بھی نہیں ہوگی۔"

"میرے دل پر آبلے پڑے ہیں۔ میں چاہتی ہوں اس کا دل بھی آبلوں سے بھر جائے۔" ان کی موٹی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

"مگر کیوں؟" وہ حیران تھی۔ کوئی سگی ماں بھلا اپنی اولاد کے لیے ایسا سوچ سکتی تھی؟

"میری مرضی۔" ایک دم انہیں غصہ آگیا۔ تو وہ خوف زدہ ہو کر خاموش ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

رخشہ کی شادی کے بعد پہلی مرتبہ نوشابہ بھابھی اس کے گھر آئی تھیں۔ دراصل بیٹی بیاہ کر کسی اور کی بیٹی کا بھی احساس ہو گیا تھا۔ پہلے تو لائبہ سے مہینے دو مہینے بعد ملاقات ہو جاتی تھی مگر اب لائبہ بھی طلاب کے ہمراہ یورپ فلائی کر گئی تھی۔ صرف فون تک رابطہ محدود ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے لائبہ سال دو سال سے پہلے تو نہیں آسکتی تھی۔ سو بھابھی گھر کی تنہائی سے عاجز آجاتی تھیں۔ باقی بھابھیوں کے پورشن الگ تھے اور پھر وہ اپنے اپنے بچوں اور گھرداری میں مصروف رہتی تھیں۔ مل جل کر بیٹھنے کا وقت نہیں ملتا تھا۔ آج ان کا بڑا دل گھبرایا تھا سو وہ رخشہ سے ملنے کے لیے آگئیں۔

"تمہاری پھوپھی ساس کہاں ہیں رخشی!—" وہ چائے وغیرہ بھی پی چکی تھیں مگر گھر کا کوئی فرد ان سے ملنے کے لیے نہیں آیا تھا۔ بھابھی کو تشویش ہو چلی تھی۔

"اماں جی تو کبھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آتیں بھابھی!" رخشہ جو بھابھی کی آمد پر خوشی سے کھل رہی تھی۔ بے مزا سی بتانے لگی۔

"اور وہ شہزادی حسن آرا؟"

"وہ بھی ہمیشہ حجرہ نشین رہتی ہے۔" رخشہ نے بے دلی سے بتایا۔

"کمال کی خوب صورت لڑکی ہے۔ مگر ابھی تک اسے گھر میں کیوں بٹھایا ہوا ہے؟" نوشابہ نے فطری تجسس کے تحت پوچھا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا۔"

"کیوں نہیں پتا؟" نوشابہ نے تیکھے چتونوں سے گھورا۔ "احمق! حیام سے کہہ کر اسے چلتا کرو۔ چلتی پھرتی قیامت گھر میں رکھی ہوئی ہے۔" بھابھی کا انداز گھر کنے والا تھا۔

"یہ میرے بس میں ہے کیا؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔ "جن لوگوں کی لالہ ذمہ داری ہے۔ وہ ہی اتنے انجان بنے ہوئے ہیں۔ تو پھر میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

رخشہ نے دھیرے دھیرے اپنے سارے خدشے کہہ سنائے۔

"تم اپنی ساس سے بات کرو۔ وہ کیوں بیٹی کے بارے میں نہیں سوچتی۔" بھابھی کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں نمودار ہو گئیں۔ رخشہ کے سارے خدشے انہیں حق بجانب نظر آرہے تھے۔ شادی کی اولین رات کے اس منظر کے علاوہ رخشہ نے من و عن سب کچھ بھابھی کے گوش گزار کر دیا تھا۔

"حیام کا رویہ کیسا ہے؟" انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔ نجانے یہ فکر مندی دکھاوا تھی یا پھر واقعی وہ اس کے لیے فکر مند ہو رہی تھیں۔

"بس دھوپ چھاؤں جیسا۔"

"دیکھو رخشہ! تم حیام کے کانوں میں چپکے چپکے یہ بات ڈالتی رہو۔ لالہ کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔"

"حیام تو گویا میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا رہتا ہے" وہ چڑ کر بولی۔ "بتایا تو ہے آپ کو۔"

"وہ اپنے کمرے میں کیوں نہیں سوتا؟ تم کیسی بیوی ہو جو اس سے باز پرس بھی نہیں کرتیں۔" نوشابہ اسے سخت سست سنا رہی تھیں۔

"حیام کو عادت نہیں اپنے کمرے کے علاوہ کسی اور جگہ سونے کی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" نوشابہ اس عجیب منطق پر ح

گئیں۔ تو تم بھی حیام کے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔" انہوں نے مشورہ دیا۔

"میں خود سے بھلا کیسے؟" وہ پریشان ہو کر بولی۔

"جب تک حیام کو اپنے قریب نہیں کرو گی۔ وہ تم سے دور ہی بھاگے گا۔"

"میں حیام سے بات کروں گی۔"

"بات نہیں کرنی۔ منوانی ہے۔ اور ہاں ' یہ لالہ کو بھی ٹھکانے لگانے کا سوچو۔ ویسے تو بڑا دین دار گھرانہ ہے اور سنت ' شریعت کی خبر نہیں۔ جوان بیٹی کو گھر بٹھا رکھا ہے۔" بھابھی نے لگے ہاتھوں اس کی برین واشنگ بھی کر دی تھی۔

"میں اماں جی سے بات کروں گی۔" اس نے گویا ارادہ باندھ لیا تھا۔

"ضرور کرنا' میں نوراں تایا سے کسی اچھے رشتے کی بات کروں گی۔" نوشابہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"چلتی ہوں۔ پھر آؤں گی۔ اپنا خیال رکھنا۔ حیام کے ساتھ ادھر کا چکر بھی لگانا۔ تمہارے بھیا بہت یاد کر رہے تھے۔"

"آج ادھر ہی رہ لیتیں۔" وہ اداسی سے بولی۔

"پھر آؤں گی۔ تمہارے بھیا اکیلے ہیں۔ ماٹو' تمہارے اور لائبہ کے بغیر گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔" جاتے جاتے وہ افسردگی سے بولی تھیں۔ بالآخر اندرونی اور بیرونی تنہائیوں نے نوشابہ کے بھی بل نکال کر رکھ دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

حیام اپنے کمرے میں لیٹا تھا۔ جب دروازہ کھول کر رخشندہ با اعتماد قدم اٹھاتی اندر آگئی۔ حیام اسے دیکھ کر چونک گیا۔

"تم۔"

"ہاں جی ' میں۔ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے دو قدم کا فاصلہ ختم کر کے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"کوئی کام تھا کیا؟" حیام ٹھٹک کر پوچھنے لگا۔

"بغیر کام کے میں آپ کے کمرے میں نہیں آسکتی؟" اس نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"یوں مناسب نہیں لگتا۔" وہ اس سے نظر چرا کر بولا اور اٹھ گیا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں۔" رخشندہ جتا کر بولی۔

"سب جانتے ہیں مگر ہمارے خاندان میں اس چیز کو مناسب نہیں سمجھا جاتا۔"

"اس میں نامناسب کیا ہے؟"

وہ ایک دم تلخ ہو اٹھی۔ بھلا برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

"وہ دراصل لالہ کو برا لگے گا۔" اچانک حیام کے منہ سے پھسل پڑا۔ حالانکہ وہ یہ کہنا تو نہیں چاہتا تھا۔

"کیا برا لگے گا؟" وہ ترشی سے بولی۔

"دیکھو گھر میں لالہ موجود ہے۔ اس کے سامنے یہ سب معیوب لگتا ہے۔ تم جاؤ میں رات کو آؤں گا۔ تم نے جو بات کرنا ہو کر لینا۔" حیام کا انداز صلح جو قسم کا تھا۔ یعنی وہ جھگڑا یا بحث مباحثہ نہیں چاہتا تھا۔

"تو پھر ابھی چلیں۔" اس کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی۔ اب وہ ضد اور زور زبردستی سے اپنی منوانا چاہتی تھی۔ خاموش رہ کر بہت دیکھ لیا تھا۔

"پلیز رخشندہ!" حیام نے ہاتھ اٹھا کر مزید اسے بولنے سے روک دیا۔

"حیام! میری سمجھ میں آپ کا رویہ نہیں آتا۔ یہ چوہے بلی کا کھیل کیوں کھیل رہے ہیں میرے ساتھ" وہ تھک کر بولی۔

"کچھ صبر کر لو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ نرمی سے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"نہیں ہو گا۔ کبھی نہیں ہو گا۔" رخشندہ نے دائیں بائیں نفی میں سر ہلایا۔ "جب تک لالہ یہاں موجود ہے۔ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔"

"تو اس کا کیا کروں؟ گھر سے نکال دوں یا اس کا گلا دبا دوں؟" حیام نے خفگی سے کہا۔ خلاف معمول اسے غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ تحمل سے اس کی ہر بات کا جواب

دے رہا تھا اور اگر بیچ میں لالہ ہوتی تو ضرور حیام نے بھڑک اٹھنا تھا۔

"آپ۔ آپ اس کی شادی کر دیں۔ اسے دیکھ دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی ہے۔" اس نے بالآخر کہہ ہی دیا۔ ویسے بھی لالہ کے بارے میں سوچ سوچ کر تو وہ نیم دیوانی ہوتی جا رہی تھی۔ لالہ کی حیام سے بے تکلفی اور حیام کی فرمانبرداری اسے نجانے کیسے کیسے خدشات کا شکار کر رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔" حیام کو مسلسل خاموش دیکھ کر وہ چڑ گئی۔

"ابھی جاؤ۔ لالہ کی آواز آرہی ہے۔ ہم اس موضوع پر پھر بات کریں گے۔ آج رات کو۔ ٹھیک ہے نا۔ تم تیار رہنا۔ سونا نہیں۔" وہ مزید رخشندہ کی کوئی بات سنے بغیر جلدی جلدی بول رہا تھا۔ رخشندہ نے بھی مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ حیام باہر نکل گیا تو وہ بھی اٹھ کر باہر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

رات کو بھیا اسے لینے کے لیے آگئے تھے۔ بقول ان کے شادی کے بعد وہ ایک دفعہ بھی ٹھیک طرح سے رہنے نہیں آئے سو رخشندہ پھر سے ادھر ہی تھی۔ حیام نے کہا تھا' وہ دفتر سے واپسی پر اسے لیتا جائے گا۔ رخشندہ اس کایا پلٹ پر بھی حیران تھی۔

نوشابہ بھابھی کے علاوہ دوسری بھابھیاں بھی خاصی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ رخشندہ کو یہ تبدیلی بہت پیاری لگی تھی۔ یہ عزت' یہ محبت اور یہ آؤ بھگت صرف اور صرف حیام کے توسط سے ہی تو تھی۔ بھلا رخشندہ کی ان سب کی نظر میں حیثیت ہی کیا تھی۔

بھابھی کے مزاج میں بھی بہت تبدیلی آگئی تھی۔ رخشندہ کے لیے ان کے دل میں پیار امڈ آیا تھا۔ اب وجہ حیام کی شخصیت تھی یا پھر اس کا سسرالی وسیع و عریض گھر۔ جو بھی تھا۔ رخشندہ کے لیے ان کے رویے کا بدلاؤ بہت خوشگوار ثابت ہوا تھا۔ اب وہ اکثر میکے آجاتی تھی۔

یہ ان ہی دنوں کی بات تھی۔ رخشندہ کا قیام میکے میں ہی تھا جب ایک روز غنی چلا آیا۔ اگرچہ غنی اپنی پھوپھو نوشابہ سے ناراض تھا تاہم بھابھی کی اچانک بگڑ جانے والی طبیعت کے بہانے یا ڈرامے سے متاثر ہو کر آیا تھا۔ بھابھی کسی نہ کسی طرح غنی کی ناراضی دور کر کے اسے پاکستان بلوانا چاہتی تھیں۔ بھابھی کی خواہش تھی کہ غنی پاکستان ان کے پاس آجائے۔ سو اسی لیے انہوں نے اپنی بیماری کے بہانے فون کر کے غنی کو بلوا لیا تھا۔ رخشندہ جو سمجھتی تھی کہ غنی نجانے کیسے ری ایکٹ کرے گا۔ اسے ہمیشہ کی طرح ہلکا پھلکا اور خوش مزاج دیکھ کر خود بھی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

غنی نے کہا بھی تو صرف اتنا۔

"مجھے دکھ یہ نہیں کہ تمہاری شادی کیوں ہو گئی۔ غصہ مجھے اس بات پر تھا کہ پھوپھو نے میرا پروپوزل موجود ہونے کے باوجود حیام کو مجھ پر فوقیت دی۔ چلو' یہ بھی بات نظر انداز کر دوں پھر بھی پھوپھو اور لائبہ کی اس سازش کو درگزر نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے بہت افسوس ہوا تھا یہ جان کر کہ تمہیں منظر سے ہٹانے کے لیے بھابھی نے اپنے گھر اور شوہر کی عزت کا بھی خیال نہیں رکھا۔ خیر شکر ادا کیا کرو جو پھوپھو کو احساس ہو گیا۔" وہ بلا کا منہ پھٹ تھا۔ نوشابہ بھابھی کی موجودگی کی پروا کیے بغیر ہر بات منہ پر مارتا چلا گیا اور بھابھی اتنی شرمندہ ہوئیں کہ بے چاری اٹھ کر چائے بنانے کا بہانہ کر کے منظر سے ہٹ گئیں۔

"بھابھی کی موجودگی کا ہی خیال کر لیتے۔ ایک شرمندہ بندے کو بار بار شرمندہ کرنا زیب دیتا ہے کیا؟ اور جو کچھ ہوا تھا۔ میں سب بھول چکی ہوں۔ اب پلیز' غنی! تم بھی کسی بات کو مت دوہرانا۔" بھابھی کے چلے جانے کے بعد وہ التجائیہ انداز میں غنی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں دوہراؤں گا اعلیٰ ظرف رکھنے والے لوگو!" غنی نے گویا دہائی دی۔ یعنی وہ اس کی بات سمجھ چکا تھا۔ ویسے بھی وہ جانتا تھا کہ رخشندہ دل میں بغض اور کینہ رکھنے والوں میں سے نہیں ہے۔

"تم ابھی تک اکیلے پھر رہے ہو۔" وہ ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ سو خوشگوار لہجے میں پوچھنے لگی۔

"کیوں ساتھ کسی دم چھلے کا ہونا بھی ضروری تھا؟" وہ غنی ہی کیا جو سیدھی بات کا سیدھا جواب دے۔

"تو اور کیا؟" بھابھی پھر آ گئیں۔ "میں تو سمجھ رہی تھی کوئی میم شمیم بھی ساتھ ہو گی۔ اور ہماری خدمت کرے گی۔"

"پھوپھو جان! میری بیوی سے ایسی توقع مت رکھیے گا۔ اسے تو پانی بھی میں ہی گلاس میں ڈال کر دوں گا۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"ہائے 'ایسی زن مریدی۔'" بھابھی اس کی جگت بازی کو بھی سچ ہی سمجھ لیتی تھیں۔

"راحیل انکل کی پیروی کروں گا ان شاء اللہ۔" وہ برابر انہیں چڑا رہا تھا۔ "ابھی تک آپ کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ پکڑ کر فون کھڑکا دیا ہے۔ آخری دیدار کر لو 'اپنی پھوپھی کا' ورنہ پچھتاتے رہ جاؤ گے تمام عمر۔ نوشابہ بس آخری سانسوں پر ہے۔" غنی نے ہو بہو بھیا کی نقل اتاری تھی اور بھابھی نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے چپل اتاری۔

"یہ فائرنگ نہیں ہونی چاہیے پھوپھو! ورنہ میں واپس بھاگ جاؤں گا۔" غنی کا انداز دھمکی آمیز تھا۔

"اب نہیں بھاگنے دوں گی۔ پکا انتظام کروں گی۔ نوراں آپا کو بلا رکھا ہے۔" بھابھی نے بھی جواباً اسے دھمکایا۔

اسی پل اوپر سے آواز آئی تھی۔ بھابھی اٹھ کر اوپر والوں کی بات سننے چلی گئی تھیں۔ رخشہ نے کچھ دیر غنی کے ہشاش بشاش چہرے کی طرف دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر جھجکتے ہوئے بولی۔

"غنی! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"کر لوں گا شادی بھی' جلدی کیا ہے' کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہیں کہ میں نے تمہارے لیے جوگ لے رکھا ہے۔"

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ خفگی سے اٹھنے لگی۔

"بیٹھو بتاتا ہوں۔" غنی نے سرعت سے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔ "پیاری رخشی! میں سمجھتا ہوں تم کیا جاننا چاہتی ہو۔"

اصل میں بات یہ ہے کہ میں بڑا صاف گو بندہ ہوں سیدھی اور سچی بات کرتا ہوں۔ میں نے تمہیں شادی کے لیے ضرور پسند کیا تھا۔ کیونکہ تم میں جتنی خوبیاں تھیں۔ وہ میں اپنی ہونے والی بیوی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر ہمارے نصیب نہیں ملے۔ میں کل بھی تمہاری عزت کرتا تھا اور ہمیشہ کرتا رہوں گا کیونکہ تم بہت اچھی ہو رخشی! میں تم سے محبت نہیں کرتا تھا یا فیلنگز تمہارے لیے کچھ خاص قسم کی نہیں تھیں۔ ہاں' میں تمہیں' تمہاری اچھی عادتوں کی وجہ سے آج بھی پسند کرتا ہوں۔"

غنی نے بہت ہلکے پھلکے لہجے میں وضاحت کر دی تھی۔ سو اس کا دل کچھ اور بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ اور اب غنی اسے چھیڑنے اور چڑانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے لوگوں کو بھی بڑی بڑی خوش فہمیاں لاحق ہو جاتی ہیں۔" اب غنی نے کئی دنوں تک اس کا ریکارڈ لگانا تھا مگر بھلا ہو حیام کا جو بیچ میں اسے لینے کے لیے آ گیا تھا۔ اور رخشہ اسی خوشی میں گم پھر اسی خاموش محل میں چلی آئی تھی۔ جس کی خاموشیاں نجانے کس کس کے عذاب' خواب یا آنسو اور درد سمیٹے ہوئے اس اونچی چھتوں والے گھر کی دیواروں سے لپٹی تھیں۔ رخشہ کے لیے خوشی اس بات میں تھی کہ حیام اس کی طرف دھیرے دھیرے سے ہی سہی متوجہ ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں نے آپ سے ایک بات کہی تھی۔" را[illegible] چپکے سے دروازہ کھلا تھا اور کوئی بے آواز قدموں سے اندر داخل ہوا۔ یہ ہیولا دھیرے دھیرے قریب آ گیا تھا اور پھر رخشہ کے دائیں پہلو میں کسی کی [illegible] کے ہلکے سانسوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ رخشہ
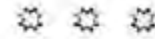
بغیر دیکھے بھی جانتی تھی کہ اس کے پہلو میں لیٹنے والا کون ہے۔ اس نے یوں ہی آنکھیں موندے موندے کروٹ لی تھی اور اپنا ہاتھ حیام کے بازو پر رکھ دیا۔

"کون سی بات؟" حیام اس کی طرف متوجہ تھا۔

"بھول گئے ہیں کیا؟" اب کے اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"پھر بھی بتا دو۔" وہ اس کی طرف کروٹ لیے سرگوشی نما آواز میں بولا تھا۔

"لالہ والے مسئلے پر بات کی تھی آپ سے۔"

"تمہیں لالہ کا بے ضرر وجود کیوں کھٹکتا ہے آخر؟" وہ دھیمی آواز میں بے بسی سے پوچھ رہا تھا۔

"ایک بات تو آپ ذہن سے نکال دیں۔ لالہ کا وجود کم از کم میرے لیے بے ضرر نہیں ہو سکتا۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"تم لالہ کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر سکتیں؟" حیام بے زاری سے بولا۔

"آپ لالہ کے لیے کچھ اچھا نہیں سوچ سکتے؟" اس نے الٹا سوال داغ دیا۔

"کیا اچھا سوچوں؟"

"اس کی شادی کر دیں؟"

"کس سے؟ ہماری برادری میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں اور برادری سے باہر ہم لوگ رشتہ نہیں کرتے۔" حیام کے لہجے میں اب بھی خفگی نمایاں تھی۔ یعنی اسے لالہ کے بارے میں گفتگو کرنا پسند نہیں تھا۔

"تو آپ ہی کر لیتے۔" رخشہ چیخ کر بولی۔ "کیا کمی ہے لالہ میں۔ سارے لالہ کے باغ کا حسن تو سمیٹے ہوئے ہے۔"

"میں تو تیار تھا مگر۔" حیام کہتے کہتے ایک دم رک گیا اور رخشہ گویا سر سے پیر تک چونک گئی۔

"مگر کیا؟" وہ بے چینی سے بولی۔

"کچھ نہیں۔" حیام کھویا کھویا سا تھا۔ جیسے غنودگی میں ہو۔ "لالہ کی بات نہ کرو' اپنی بات کرو' مجھے نیند آجاتی ہے۔"

"بتائیں نا۔" وہ اصرار کرتی رہی تھی مگر حیام کی چپ نہ ٹوٹی۔ وہ منہ پر تکیے کو رکھ کر اوندھا لیٹ گیا تھا۔

"جب تم اپنی بات نہیں کر سکتیں تو پھر کسی اور کی بات بھی نہ کرو۔" نیند میں ڈوبی ڈوبی آواز تھی۔

"او کے' نہیں کرتی۔ منہ سیدھا کریں' اپنی بات کر لیتی ہوں۔" وہ مسلسل التجائیں کر رہی تھی۔ مگر حیام تکیے میں منہ دیے لیٹا رہا۔

"حیام! سو گئے ہیں کیا؟" وہ اس کا شانہ ہلا ہلا کر جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"حیام!۔" وہ پریشان ہو گئی۔ مگر جواب پھر بھی ندارد۔ صرف پندرہ منٹ میں وہ سو بھی چکا تھا یا پھر اس پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔

"حیام! آخر اتنی جلدی آپ کیسے سو گئے ہیں؟" وہ مسلسل بولے جا رہی تھی تاکہ حیام کی نیند ٹوٹ جائے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ سوچنے پر رخشہ کو خیال آیا تھا کہ اس کی آواز خاصی بھاری تھی۔ جیسے کوئی نیند میں اٹھ کر آجائے۔ کھویا کھویا سا' نیند میں دھت۔

"حیام جی!۔" اس کی آوازیں بھی حیام کی نیند توڑ نہیں پائی تھیں۔ "آخر مسئلہ کیا ہے؟ ابھی تو جاگ رہے تھے۔ کیا خفا ہو گئے ہیں؟" وہ مسلسل اس کا کندھا ہلا رہی تھی۔

"حیام! میں رونے لگی ہوں۔" رخشہ سچ مچ حواس باختہ سی رو پڑی۔ مگر دوسری طرف گویا کسی بات کا اثر ہی نہیں تھا۔ وہ خوف زدہ سی اٹھ کر صوفے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ دونوں پاؤں صوفے پر رکھے وہ مسلسل قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی۔ پھر اچانک اسے خیال آیا تھا کہ اسے حیام پر دم کرنا چاہیے۔ سو وہ زور و شور سے گھٹنے میں منہ دیے مختلف سورت مبارکہ کا ورد کرتی رہی۔ جب اس نے پھونک مارنے کی غرض سے گھٹنوں پر رکھا سر اٹھایا تو اس کی گویا چیخ نکل گئی تھی۔

حیام اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ بالکل سیدھا' آنکھیں بند۔ ایک انداز سے چلتا ہوا۔ نیند میں

رھت۔

"یا اللہ خیر!" رخشندہ خوف سے تھرا اٹھی۔

"حیام! نیند میں چل رہے ہیں۔" وہ صوفے پر بیٹھی بیٹھی چیخی تھی۔ مگر حیام نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے ہینڈل بھی ایک انداز سے گھمانا چاہا تھا مگر دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا اور رخشندہ کی گویا چیخ نکل گئی۔

خوف کے مارے رخشندہ کے حواس سلب ہو گئے تھے۔ اس کے جسم میں ذرہ بھر حرکت کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ خوف کے مارے اس کے ہونٹ تک نیلے ہو رہے تھے۔ مگر وہ کھلے دروازے سے باہر کے منظر کو دیکھنے سے خود کو روک نہیں پائی تھی۔

یہ دروازہ خود بخود نہیں کھلا تھا۔ بلکہ اسے کھولا گیا تھا اور دروازہ کھولنے والی عورت کو دیکھ کر رخشندہ کی چیخ نکل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں نے ایک بڑا ہی عجیب منظر دیکھا تھا' دروازے کے چوکھٹے میں لالہ رخسار کھڑی تھی۔ مکمل دلہن کے روپ میں' سرخ بھڑکیلا اور بے انتہا قیمتی لہنگا پہنے ہوئے اور یہ لہنگا' یہ عروسی لباس رخشندہ کا تھا مگر لالہ کے پاس کیسے پہنچ گیا؟ زیورات' گہنے اور پھولوں کے ہار' گجرے پہن کر لالہ مکمل طور پر دلہن بنی کھڑی تھی۔ یہ زیورات بھی رخشندہ کے تھے۔ اور لالہ کے وجود سے اٹھنے والی پرفیوم کی خوشبو سے رخشندہ کا کمرا بھر گیا تھا اور یہ خوشبو بھی رخشندہ ہزاروں خوشبوؤں میں سے پہچان سکتی تھی' یہ گہنے' لباس اور یہ پرفیوم رخشندہ کا تھا۔ اور انہیں چوری کرنے والی رخشندہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔

"یعنی لالہ نے میرا سامان چوری کیا؟" پردہ تھا جو رخشندہ کی نظر کے سامنے سے ہٹ گیا۔ لالہ بہت خوب صورت تھی اور رخشندہ کے عروسی لباس نے اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا۔ میلے کچیلے حلیے میں ٹینٹ نما چادر کو لپیٹے پورا دن عبادت میں مشغول رہنے والی لالہ رات کے انتہائی پہر خود کو سجا بنا کر کھڑی تھی؟ کیوں؟ کس لیے؟ یہ سارا ہار سنگھار کس لیے تھا؟ یہ صرف آج کی بات تھی یا پھر لالہ کا معمول ہی یہی تھا؟ بہت سے سوالیہ نشان تھے جو اس کے ارد گرد چکرا رہے تھے۔

جو بھی تھا مگر ایک بات روز روشن کی طرح سے عیاں ہو چکی تھی کہ رخشندہ کی چیزیں صدیقہ نہیں بلکہ لالہ رخسار چرا لائی تھی۔

صوفے پر بیٹھے بیٹھے اس نے لالہ کو حیام کا ہاتھ تھام کر واپس پلٹتے دیکھا تھا' لالہ سج سج قدم اٹھاتی حیام کے کمرے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ پھر اسے بیڈ پر بٹھانے کے بعد کچھ دیر کھڑی رہی۔ حیام خود بخود لیٹ گیا تو وہ فتح مندی کے احساس سے سرشار باہر نکل آئی تھی۔ اب وہ مرچیں جلا کر حیام کے دروازے کے ارد گرد دھونی دے رہی تھی۔ اتنی ناگوار بدبو تھی کہ رخشندہ کے کھلے دروازے سے بھی اندر تک چلی آئی۔ مگر رخشندہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر دروازہ ہی بند کر لیتی۔ اس کا ذہن ایک دم کسی غبار سے بھرنے لگا تھا۔ شاید مرچوں کی بدبو کا اثر تھا۔ لالہ کی خون رنگ آنکھوں کی ساری سرخی رخشندہ کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔ اور وہ اس غبار کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش میں ناکام ہوتے ہوئے صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی۔

صبح اس کی آنکھ حیام کے بہت دفعہ پکارنے پر کھلی تھی۔ وہ اس کے قریب ہی بیٹھا تھا' حیام کے لمس کو اپنے گالوں پر محسوس کر کے رخشندہ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"آپ۔!" وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"صوفے پر کیوں سو رہی ہو؟ بیڈ پر سو تیں نا۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ رخشندہ لب بھینچے بہت دیر تک سوچتی رہی تھی۔ حیام یقیناً" رات کی ہر بات بھول چکا تھا۔ اور رخشندہ کو اسی فکر اور اندیشے نے متوحش کر رکھا تھا کہ حیام کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے اور لالہ رخسار بھلا کیا چاہتی ہے؟ دن بھر بہروپ بھر کر ملنگوں جیسے حلیے میں پھرنا بھلا کیا معنی رکھتا تھا اور رات کو چوری کیے گئے سامان سے ہار سنگھار کرنا۔ خصوصاً" حیام کے بارے میں تو وہ اور بھی فکر مند ہو رہی تھی۔ کیونکہ رات کو نیند کی حالت میں چلنا اور باتیں کرنا حیام کو یاد ہی نہیں رہتا تھا' اصل پریشان کن صورت حال ان دونوں کا رویہ تھا' خصوصاً" لالہ تو پورے ہوش و حواس میں نجانے کون کون سے ٹوٹنے کرتی تھی۔ اور نجانے یہ بھی ان کی کوئی خاندانی روایت تھی کہ رات کو جاگ جاگ کر دیواروں پر پانی کے چھینٹے مارنا' مگر مرچے کو جلانا' مرچوں کی دھونی' حیام اس وقت بھی بہت سوچ سمجھ کر رخشندہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"رات کو آپ کہاں تھے؟"

"میں اپنے کمرے میں تھا۔ شاید طبیعت کچھ بھاری تھی۔" حیام نے سادگی سے بتایا۔ وہ ابھی بھی اس کے پاس ہی بیٹھا تھا' اور اس کا ہاتھ نرمی سے تھامے ہوئے نجانے کیا سوچ رہا تھا کہ رخشندہ کی آواز پر چونک گیا۔

"مگر آپ تو میرے کمرے میں تھے؟" رخشندہ نے سوچ سوچ کر کہا۔

"نہیں تو' میں اپنے کمرے میں تھا۔" حیام نے الجھ کر جواب دیا۔

"پہلے آپ یہاں تھے۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔"

"ایسے کس طرح سے ہو سکتا ہے؟ میں اگر اٹھ کر یہاں سے جاتا تو مجھے کیا اتنی سی بات بھول جاتی ہے؟" حیام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا' رخشندہ سوچ میں گم ہو گئی تھی کہ لالہ کا ذکر چھیڑے یا نہ چھیڑے۔ اور پھر اس نے لالہ کے خیال تک کو بھی ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

"آپ آج دفتر نہیں جائیں گے؟"

"جانا تو ہے مگر تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" حیام کی نظریں اس کے پر سوچ چہرے اور تھکی تھکی آنکھوں پر تھیں۔

"بس ایسے ہی سستی فیل ہو رہی ہے۔ ذہن بھاری ہے۔"

"آپ کے لیے ناشتہ لاؤں؟" وہ اٹھ کر چپل پہننے لگی۔

"ناشتہ تو لالہ نے بنا لیا ہے۔ میں تمہیں لینے کے لیے آیا تھا۔ فریش ہو کر باہر آ جاؤ۔ پھر اکٹھے ناشتہ کرتے ہیں۔" حیام نرم لہجے میں بولتا ہوا کس قدر اپنا اپنا لگ رہا تھا' رات سے قطعاً" مختلف۔ کاش ہمیشہ ایسے ہی رہتا وہ۔ رخشندہ نے تھکے تھکے ذہن سے سوچا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ہال کمرے میں آئی تو لالہ کی بڑی فریش فریش آواز سنائی دی۔

"تمہیں آج دیر ہو گئی حیام!"

"ہوں۔" حیام نے محض ہنکارا بھرا۔ رخشندہ غیر محسوس انداز میں اس کے قریب بیٹھ گئی تھی اور لالہ کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔

"لالہ! میرے لیے بھی ناشتہ لاؤ۔" رخشندہ اس کے تاثرات کا اچھی طرح سے جائزہ لے کر بولی۔

"صدیقہ سے کہو' بنا دے۔ تمہارا ناشتہ ابھی نہیں بنا۔" لالہ نے نجانے کس دل سے جواب دیا تھا۔ رخشندہ کو اس کے لہجے کی تلخی نے واضح مزا دیا تھا۔

لالہ رکھائی سے بولی۔ "آئندہ اپنا ناشتہ خود بنایا کرو۔"

"جی بہتر۔ میں اپنا اور حیام کا ناشتہ بنا لیا کروں گی۔" اس نے فوراً" فرماں برداری سے کہا تھا۔ اور لالہ اسے خوا مخواہ گھورنے لگی۔

"ابھی تو میرا کچن میں جانے کا موڈ نہیں ہو رہا اور صدیقہ بھی نہ جانے کہاں ہے؟" رخشندہ بڑی سی کچن میں کھلنے والی کھڑکی سے جھانک کر بولی۔ "میں حیام کے ساتھ ناشتا شیئر کر لوں گی۔"

وہ جان بوجھ کر لالہ کو چڑا رہی تھی اور جب حیام آفس جانے لگا تو لالہ چپکے سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ یقیناً" دوسرے دروازے سے پورچ تک جانے کا ارادہ تھا۔ مگر اس سے بھی پہلے رخشندہ' حیام کے ہمراہ ہی گیراج تک چلی آئی تھی اور جب وہ مسکراتے ہوئے حیام کو خدا حافظ کہہ رہی تھی تب لالہ نے اس منظر کو

وحشت کے عالم میں دیکھا تھا اور پھر گویا پتھر ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات کہوں حیام!" رخشہ اپنے ہاتھوں اور چہرے کا مساج کر رہی تھی۔

"جی فرمایے؟" وہ لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہا تھا۔ آج وہ سرِ شام ہی اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اور رخشہ کو یہ تبدیلی بہت بھلی لگی تھی۔ یہ کیا بندہ چوروں کی طرح اپنے ہی کمرے میں جانے کے لیے رات گہری ہونے کا انتظار کرے۔

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ میری بات پر آپ کو کتنا یقین آئے گا؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟" وہ چونکا۔

"بتائیں نا' آپ میری بات پر کتنا یقین کرتے ہیں؟" رخشہ نے اصرار کیا۔

"کچھ وضاحت کرو گی تو پتا چلے گا۔"

"اچھا چھوڑیں اسے' فی الحال اس بات کو رہنے دیں' یہ بتائیں آپ کو کچھ کہوں' مطلب آپ کی ذات کے حوالے سے' آپ کو برا تو نہیں لگے گا؟"

"نہیں' برا کیوں لگے گا' مگر آپ فرمانا کیا چاہتی ہیں؟" حیام بھی پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"پہلے بتائیں' آپ غصہ تو نہیں کریں گے۔"

"نہیں یار!" وہ زچ ہو اٹھا تھا' "تمہیں جو بات کہنا ہے کہہ دو۔"

اس کی سوچیں اس وقت بھی منتشر تھیں' یہ یقین تو ہرگز بھی نہیں تھا کہ اس قدر اپنائیت سے بات کرنے والا حیام رات تک اسی موڈ میں رہے گا۔ حالانکہ مہینے کی آخر راتوں سے تو رخشہ بے حد خوف زدہ رہنے لگی تھی' جب لالہ کی آنکھیں بھی لال بوٹی ہو جاتی تھیں۔ اور گھر میں بھی ہر طرف دھواں سا پھیلنے لگتا تھا اور سب سے بڑی بات حیام کی ذہنی رو بھٹک جاتی تھی۔ عجیب گم صم سی کیفیت میں باتیں کرنے لگتا تھا' تب رخشہ کا دل اس گھر سے بھاگ جانے کو چاہتا۔

"ارے' کہاں گم ہو گئیں؟" حیام نے اسے ٹہوکا دے کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ سوچوں کو جھٹک کر حیام کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"حیام! میرا ذہن سوچ سوچ کر تھکنے لگا ہے' مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔ میں کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پاتی۔" وہ بے قراری سے بولتی چلی گئی۔

"خواہ مخواہ خود کو مت الجھاؤ' جتنا سوچو گی خود کو اتنا ہی پریشان کرو گی۔"

"مجھے آپ کا راتوں کو اٹھ کر چلنا اور بولنا وحشت زدہ کر دیتا ہے حیام! آپ بالکل بھی نارمل ری ایکٹ نہیں کرتے۔ آپ کو یاد نہیں ہے۔ رات کو آپ پہلے سوئے تھے' مگر پھر خود ہی اٹھ کر چلے بھی گئے اور آپ کو یاد بھی نہیں رہتا' آپ کو نہیں لگتا آپ کے ساتھ کوئی سائیکی پرابلم ہے۔" جھجکتے ہوئے رخشہ نے کہہ ہی دیا تھا۔

"پہلے تو نہیں' البتہ اب مجھے بھی یہ ہی محسوس ہونے لگا ہے۔" حیام نے بھی گویا تسلیم کر لیا تھا۔ "میں خود کو اعصابی دباؤ کا شکار محسوس کرنے لگا ہوں۔ ہم دونوں کی فیلنگز ایک ہیں' مگر یہ فیلنگز ایسی ہیں کہ ہم دونوں ہی ان محسوسات کی وضاحت نہیں کر پا رہے' کچھ تو ہے جو غیر واضح اور مبہم ہے۔ انوکھا اور اچھوتا ہے' کچھ تو ہے' جو ہمارے ذہن میں کلک کر کے روشن نہیں ہو پا رہا ہے۔"

وہ پہلی مرتبہ دھیرے دھیرے اس پر کھل رہا تھا۔ یعنی چونکا تو وہ بھی تھا' مگر رخشہ کی طرح کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا اور رخشہ اگرچہ بہت کچھ سمجھ رہی تھی' مگر فی الحال کچھ کہنے' سننے کی پوزیشن میں نہیں تھی' ابھی وہ بہت صبر اور تحمل کے ساتھ پردے میں چھپی غیر واضح چیزوں کے عیاں ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

"میرا ذہن سویا سویا رہتا ہے' میں کئی کئی گھنٹے کی نیند لینے کے باوجود خود کو سویا ہی سمجھتا ہوں' یوں لگتا ہے کہ جاگنے کی وجہ سے میری نیند پوری نہیں ہوتی۔" وہ الجھے الجھے انداز میں کہہ رہا تھا اور رخشہ

دھیان سے اس کے تاثرات نوٹ کر رہی تھی۔ بہت سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے حیام کے سامنے ایک حل پیش کر دیا تھا' جسے اس نے پس و پیشت کے بغیر ہی سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔

"میں کسی سائیکاٹرسٹ سے بات کروں آپ کے لیے؟"

"میں خود دیکھ لوں گا' کسی کے ساتھ کانٹیکٹ کرتا ہوں۔" حیام نے پرسوچ انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

"اگر آپ کہیں تو غنی سے بات کروں؟ وہ بلا کا مسخرا اور خوش مزاج ماہر نفسیات ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ ایک اچھا معالج ثابت ہو گا۔ فی الحال وہ پاکستان میں ہی ہے' ابھی واپسی کا ارادہ نہیں۔ میری خواہش ہے غنی یہاں آ کر رہے' اور پھر یہیں پر ہی ٹریٹمنٹ بھی دے۔ اس کا مشاہدہ' علم' سمجھ بوجھ بھی وسیع ہے۔ وہ یقیناً ہماری مدد کے لیے تیار ہو جائے گا۔"

رخشہ پرجوش سی بولتی چلی گئی تھی۔ غنی سے اس کی خاصی بے تکلفی اور دوستی تھی اور رخشہ اس لیے بھی مطمئن تھی کہ وہ ہر بات کھل کر غنی سے کر سکتی تھی۔ حیام نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ یعنی وہ رضامند تھا۔ اور رخشہ اور بھی پرامید ہو گئی تھی۔ وہ تو اسی سوچ میں خاصا وقت ضائع کر چکی تھی کہ سائیکاٹرسٹ کا مشورہ کہیں حیام کو برا نہ لگے' وہ غصہ نہ کر جائے۔ اسے یقین نہیں تھا کہ حیام اتنی آسانی سے خود بخود مان جائے گا۔ مگر یہ یقین تھا کہ غنی اس کی بے شمار پرابلمز حل کر دے گا۔ اور اسی یقین کے بل بوتے پر اس نے غنی کو فون کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پھوپھو! یہ آپ نے میرے لیے پراٹھا بنایا ہے؟" سامنے سے ٹوٹی پھوٹی یہ آواز زرگون غنی کی تھی۔ وہ اسٹول پر بیٹھا پاؤں ہلا رہا تھا۔ مگر نظریں ہنوز میز پر رکھی پلیٹ پر مرکوز تھیں۔ ادھ جلا سا کچا پکا پراٹھا غنی کی نخریلی طبیعت کی وجہ سے ابھی تک ان چھوا رکھا تھا۔

"تو اور کیا ہے؟ آنکھیں کھول کر دیکھو۔" نوشابہ پہلے ہی شدید گرمی کی وجہ سے تپی ہوئی تھیں۔ اوپر سے لاڈلے بھتیجے کے نخرے اللہ کی پناہ! انہیں تو رہ رہ کر افسوس ہوتا تھا کہ اتنی اچھی لڑکی محض حسد اور کمینگی کے باعث ہاتھ سے نکال دی ہے۔ رخشہ ہی تھی جو نہ صرف ان کا کچن سنبھالے ہوئے تھی بلکہ غنی کی فرمائشوں کو بھی بڑے ہی تحمل سے پورا کر دیا کرتی تھی۔ جبکہ نوشابہ تو ایک ہفتے میں ہی غنی کی نکتہ چینی طبیعت سے گھبرا اٹھی تھیں۔ اب تو صرف اور صرف پچھتاوا تھا جو ہاتھ ملنے پر مجبور کر رہا تھا۔

اتنا تو وہ جانتی تھیں کہ اگر غنی کی رخشہ سے شادی ہو جاتی تو پھر غنی نے آئرلینڈ جانے کے بجائے اپنا کلینک یہیں سیٹ کر لینا تھا اور راحیل نے غنی کو الگ تو نہیں رہنے دینا تھا' ساتھ رہنے سے رخشہ نے گھر بار تو سنبھالے رکھنا تھا۔ اور وہ پھر سے گھریلو ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاتیں۔ مگر ہائے افسوس۔ اب بھلا کیا ہو سکتا تھا۔

پچھلے ہفتے رخشہ تین چار گھنٹوں کے لیے آئی تھی اور تین چار سالن بنا کر فریز کر گئی تھی۔ مگر اس غنی خبیث کو نجانے کیسے خبر ہو گئی۔ نوشابہ کی کاہلی اور سستی کا اس نے ریکارڈ لگا دیا تھا۔ اس وقت بھی پراٹھے کا ایکسرے کرنے کے بعد اور ہر زاویے سے جائزہ لے کر اس نے پلیٹ پرے کھسکا دی۔

"آپ جانتی ہیں۔ میں عین جوانی کی بہاروں میں اس دنیا کو گڈ بائے کہہ دوں' مگر یہ ٹیڑھا میڑھا اور خوب موٹا سا پراٹھا نہیں کھا سکتا۔"

"تو نہ کھاؤ' بھوکے رہو۔" وہ پسینے سے تر بتر پیشانی پونچھ کر دھپ سے اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔ "اس عمر میں باورچی خانے میں کھپنا پڑتا ہے۔ رخشہ اور لائبہ بھی چلی گئیں۔ خیر بیٹیوں کو اپنے گھروں میں جانا ہی ہوتا ہے۔ تم ہی کوئی ہاتھ پیر ہلا لو۔" انہوں نے منہ پھلا کر بیٹھے غنی کو گھور کر دیکھا۔

"میں تو کب سے ہاتھ پیر ہلا رہا ہوں۔ مگر کچھ حاصل نہیں ہوا۔ بجھل بجا بجا کر انگلیاں تھک گئی ہیں۔ اور ٹانگیں جھلا جھلا کر پیر ٹوٹ گئے اور سامنے

کیا آیا کچا پکا۔ برا تھا۔" وہ ان کی بات اچھی طرح سمجھنے کے باوجود گھما گیا تھا۔

"غنی! میری جان کیوں ستاتے ہو؟ اگر کوئی لڑکی تمہاری نظر میں ہے تو بتا دو۔ میری پسند کی ہوئی تو لڑکی تمہیں بھاتی نہیں۔" نوشابہ نے دکھتی ٹانگوں پر ہاتھ رکھے عاجزی سے التجا کی تھی۔

"جو نظر میں تھی اسے آگے چلتا کر دیا ہے۔ اب میں بھلا کس کس لڑکی کو تاڑتا پھروں؟" غنی فریج میں سے جوس کا ڈبا نکال کر گلاس بھرنے لگا۔ "اللہ کی قسم! کیا ذائقہ تھا رخشہ کے ہاتھ میں۔"

"اچھا ہوا! تم اس کے متھے نہیں لگے۔ بے چاری کی اگلی زندگی بھی باورچی خانے میں گزر جاتی تھی۔" نوشابہ نے بے ساختہ سچ بول دیا تھا اور غنی کو گویا کھانسی آ گئی۔

"آپ نے ٹھیک کہا پھوپھو! پچھلی اور اگلی زندگی اس کی کچن میں ہی گزرنی تھی۔" غنی نے پچھلی زندگی پر خاصا زور دے کر کہا تھا، تب ہی تو نوشابہ جزبز ہو گئیں۔

"تم نا، مجھ سے پٹ کر رہو گے غنی!" نوشابہ نے اس کے کندھے پر زوردار دھپ لگائی۔

"خالی پیٹ مارتی رہیں بے چارے یتیم بھتیجے کو۔" غنی نے پھولے منہ سے ایک دفعہ پھر پراٹھے کو دیکھا اور نظر چرالی۔

"غنی! کچھ میری حالت پر بھی ترس کھا لو۔" نوشابہ رونے کو ہو گئیں۔ "یہ تیسرا پراٹھا بنایا ہے تمہارے لیے جو تمہیں پسند نہیں آیا۔"

"نند کو کوکنگ میں ایکسپرٹ کرنے کے بجائے کبھی خود بھی ہاتھ ہلا لیتا تھا نا۔" غنی نے شرارتی لہجے میں کہا۔ "سارا وقت بے چاری کو چولہے میں جھونکے رکھتی تھیں۔ اس نے تو شکر کیا ہوگا یہاں سے گئی ہے۔ سوا لاکھ آیت کریمہ پڑھا ہوگا۔" غنی کی زبان پھسل پھسل جا رہی تھی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" وہ پھر سے جزبز ہوئیں۔

"ضرور ایسی بات ہوگی۔ ویسے میں نے سنا ہے، رخشہ کی ایک پھوپھی ساس اور ان کی ہٹلر ٹائپ پراسرار قسم کی بیٹی بھی موجود ہے، بے چاری رخشہ کو کچن کی نذر کر دیا ہوگا انہوں نے۔"

"نہیں تو۔" نوشابہ "فوراً" پرجوش ہو گئیں۔ "مہارانیوں کی طرح رہتی ہے رخشہ وہاں، کام نہ کاج، سارا دن فراغت میں گزرتا ہے۔ اتنی بڑی گدی کے وارث ہیں وہ لوگ، اتنی جاگیریں اور زمینیں ہیں، روپے پیسے کی کمی نہیں، ایک ملازمہ چوبیس گھنٹے خدمت کے لیے موجود رہتی ہے۔ سچ پوچھو تو رخشہ کے لیے نوراں آپا نے بڑا اچھا رشتہ بتایا تھا۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔ باوقار، وضع دار۔"

"کبھی ان باوقار، وضع دار لوگوں سے میری بھی ملاقات کروا دیجیے، رخشہ کی پھوپھی ساس سے اپنے لیے دعا کروا لوں گا۔" غنی نے ہنسی چھپا کر سنجیدگی سے کہا تھا۔

"واقعی کروا لینا۔ کوئی لڑکی تمہیں پسند آ جائے۔ ویسے دونوں ماں بیٹی پردہ کرتی ہیں۔ میری تو رخشہ کی شادی کے بعد ایک بھی ملاقات نہیں ہوئی ان سے بس لالہ ایک دفعہ دکھائی دی تھی۔ سچی بات ہے، ماں بیٹی دونوں کی صورت شکل میں بڑا فرق ہے۔ ایسی موہنی صورت ہے لالہ کی۔ میرا تو دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ ویسے اگر تم لالہ کو دیکھ لو تو پھر۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں۔ بھلا ایسے کس طرح ہو سکتا تھا۔ وہ سید خاندان کی لڑکی تھی، غیر خاندان میں بیٹی کا رشتہ کرنا وہ لوگ کسی گناہ سے کم نہیں سمجھتے۔ اس معاملے میں انتہا کے شدت پسند تھے۔ پھر اس قسم کی سوچ رکھنا بھی نری حماقت تھی۔ نوشابہ نے سر جھٹک کر جھرجھری سی لی۔

"آپ کچھ فرما رہی تھیں؟" غنی جتنا لاپروا نظر آ رہا تھا، اتنا لاپروا تھا نہیں۔ نوشابہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

"مطلب کی بات خوب سمجھ لیتے ہو۔"

"دراصل لفظ خوب صورتی میں دل تھوڑا سا اٹک گیا ہے۔ موہنی صورت، بلا کی خوب صورت۔

چمک کر مزے سے بولا۔

"فضول مت بکو۔ وہ لوگ پردے کے خاصے پابند ہیں۔" نوشابہ سنجیدہ ہو چکی تھیں۔

"اور میں کون سا محترمہ لالہ رخسار کو ڈیٹ پر لے جانے کی بات کر رہا ہوں۔"

"توبہ کرو۔" نوشابہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"مگر میں ان کے دربار اقدس پر حاضری دینے ضرور جاؤں گا۔" اس نے خود سے گویا عہد کیا۔

"چلے جانا۔ ہزاروں لوگ وہاں جاتے ہیں۔ ذرا رخشہ کا گھر بار بھی دیکھ کر آنا۔ اتنی بڑی حویلی ہے۔ سنا ہے اٹھائیس کمرے ہوں گے۔ اور لوگ ہیں صرف گنتی کے یعنی چند ایک۔ اوپر سے خاموشی ایسی کہ دل گھبرا اٹھے۔ نجانے رخشہ بے چاری کیسے رہ لیتی ہے۔ بھرے پرے گھر سے اٹھ کر سناٹوں میں جا کر رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ مگر شان و شوکت بھی تو کمال کی ہے۔ رخشہ کا نصیب بڑا اونچا ہے۔" دل ہی دل میں نوشابہ، حیام کے حسب نسب سے بہت متاثر تھیں۔

"تو پھر کسی دن چلیں گے پیر صاحب کے دربار پر حاضری دینے۔ حیام سے بھی بڑے دن ہوئے ہیں ملاقات نہیں ہو سکی۔" غنی نے "فوراً" ہی پروگرام بھی ترتیب دے لیا تھا۔ مگر رخشہ کا خود بخود فون آ گیا۔

✡ ✡ ✡

اتفاق سے فون غنی نے اٹینڈ کیا تھا۔ اور رخشہ کے گویا من کی مراد بر آئی تھی۔

"شکر ہے غنی! تم مل گئے۔" غیر متوقع غنی کی آواز سن کر رخشہ کھل اٹھی تھی۔

"میں کیا گم ہو گیا تھا رخشی؟" وہ غنی ہی کیا جو سیدھے سوال کا صحیح جواب دے۔

"ویسے آپ کو آج بہت یاد فرما رہے تھے ہم لوگ۔"

"بھابھی ہیں کہاں؟" رخشہ نے پوچھا۔

"وزٹ پر نکل گئی ہیں۔"

"تم۔ تم فارغ ہو غنی؟" رخشہ نے بھابھی کی غیر موجودگی کے بارے میں تسلی کر کے دھیمے سے پوچھا۔

"ابھی تو فارغ ہی ہوں۔ تمہیں کچھ کام ہے؟"

"تم واپس کب جاؤ گے؟" وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔ دراصل وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ غنی سے حیام کے متعلق کس طرح سے بات کرے۔ اسی الجھن میں وہ غیر ارادی طور پر بولے جا رہی تھی۔

"کیوں تم نے مجھے ایئرپورٹ پر سی آف کرنے جانا ہے۔"

"پلیز غنی!" وہ زچ ہو گئی۔

"اچھا، وہ بات کر لو جس کے لیے فون کیا ہے۔" غنی نے نرمی سے پچکارتے ہوئے کہا تھا، یعنی وہ جانتا تھا کہ رخشہ اسے بغیر وجہ کے فون نہیں کر سکتی۔

"دراصل غنی مجھے تم سے بہت ضروری کام ہے؟" وہ اپنے لہجے کی پریشانی چھپاتے ہوئے بولی۔

"کوئی پرابلم ہے رخشی!" غنی نے نرمی سے پوچھا تھا۔ وہ اس کے لہجے کی پریشانی محسوس کر چکا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔"

"او کے میں چکر لگاؤں گا۔ پھوپھو بھی آئیں گی میرے ساتھ۔"

"نہیں غنی! تم اکیلے آنا پلیز!" رخشہ نے بے ساختہ کہا، اب کے وہ کچھ چونک گیا تھا۔

"او کے جناب! کوئی اور حکم۔" وہ انکساری سے بولا۔

"اور بس، ضرور آنا، ٹھیک ہے نا۔" رخشہ نے پھر سے یاددہانی والے انداز میں کہا تھا۔ اور پھر فون رکھ دیا۔

✡ ✡ ✡

رخشہ نیل پالش لگا رہی تھی جب دروازہ کھول کر حیام اندر داخل ہوا۔ خلاف توقع وہ آج جلدی گھر آ گیا تھا۔ سو رخشہ کو بھی کچھ تشویش ہونے لگی۔

"خیریت تو ہے؟" وہ فی الفور اپنا مشغلہ ترک کر کے حیام کے پاس چلی آئی۔

"بالکل خیریت ہے۔" حیام ٹائی کی ناٹ کھول کر صوفے پر ڈھے گیا۔
"آج آپ جلدی آ گئے ہیں؟" رخشہ نے کارپٹ پر بیٹھ کر حیام کے جوتے اتارے تھے۔ کوٹ اور فائلوں والا بیگ الماری میں رکھا۔
"ہوں۔" وہ آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے تھا، یعنی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی مگر وہ خود کو بشاش ظاہر کر رہا تھا، رخشہ کچھ پریشان ہو گئی۔
"حیام! طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
"بس ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ کر شرٹ اتارنے لگا تھا۔ پھر اس نے ریموٹ اٹھا کر اے سی آن کر لیا۔ "بہت گرمی لگ رہی ہے۔ اسکوائش بنا کر لاؤ۔" وہ اٹھ کر واش روم میں چلا گیا تھا۔
رخشہ فوراً سر ہلا کر کچن میں آ گئی تھی مگر کچن میں پہلے سے ہی لالہ موجود تھی۔ اور عجیب حلق میں چبھنے والی بدبو بھی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی نجانے آج لالہ نے کیا جلایا تھا۔ تعویذ یا پھر کوئی اور چیز مسر سوختہ وغیرہ۔"
"کیا چاہیے؟" لالہ بغیر اس کی طرف دیکھے پوچھ رہی تھی۔
"اسکوائش" اس نے جگ میں پانی ڈالا تھا۔ اور چینی کا ڈبہ اٹھایا۔
"حیام اسکوائش نہیں پیے گا۔" لالہ نجانے سفید میدے کی چھوٹی چھوٹی گولیاں کیوں بنا رہی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی مگر بلاشبہ مخاطب رخشہ ہی سے تھی۔
"انہوں نے مجھے خود اسکوائش بنانے کے لیے کہا ہے۔" رخشہ نے ڈبے کا ڈھکن کھول کر چینی گھولنا شروع کر دی تھی۔ مگر لالہ کی آواز نے اس کے ہاتھوں کی حرکت کو پل بھر کے لیے روک دیا۔
"مگر اب وہ اسکوائش نہیں پیے گا بلکہ چائے پیے گا اور ساتھ یہ میٹھی گولیاں کھائے گا۔" لالہ نے کڑاہی میں تیل ڈال کر وہ چھوٹی چھوٹی گولیاں فرائی کرنا شروع کر دی تھیں۔ ایک چولہے پر چائے کا پانی بھی جوش کھا رہا تھا۔
"حیام چائے نہیں، بلکہ اسکوائش پئیں گے۔ تم اتنا تردد نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔" رخشہ نے انتہائی کڑوے لہجے میں کہا تھا۔ دراصل جب سے اس نے لالہ کو اپنا عروسی لباس پہنے دیکھا تھا اور اسے پتا چلا تھا کہ اس کا سامان کسی اور نے نہیں بلکہ لالہ نے چرایا تھا۔ تب سے ہی اسے لالہ سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ اور اوپر سے اس کے حیام پر حق جتانے والے انداز رخشہ کو آگ بگولہ کر دیتے تھے۔
"میں نے کہا نا میری جان! حیام چائے پیے گا صرف اور صرف چائے۔" لالہ عجیب سے انداز میں ہنس پڑی تھی۔
"ایک بات تو بتاؤ لالہ!" رخشہ سلگتے دل کو تھپکنے اور صبر کا درس دیتے ہوئے بڑے ترش مگر دھیمے لہجے میں بولی تھی۔ اس کے ہاتھ مسلسل حرکت میں تھے۔ غیر ارادی طور پر وہ جگ میں چمچہ ہلائے جا رہی تھی۔
"پوچھ لو، ایک کی بجائے کتنی باتیں پوچھ لو۔" اس نے گویا رخشہ کی ہنسی اڑائی تھی۔
"تم آخر چاہتی کیا ہو لالہ؟"
"میں کیا چاہتی ہوں؟ بہت جلد تم پر واضح ہو جائے گا۔ ابھی تم اپنا کام کرو اور جاؤ۔" لالہ ایک دفعہ پھر کٹھور بنی کھڑی تھی۔
"تم کیا چیز ہو لالہ! تم دن میں کچھ ہوتی ہو اور رات میں کچھ اور ہوتی ہو۔ تمہارا اصل چہرہ کون سا ہے؟" غصے اور نفرت کے احساس نے رخشہ کی آنکھوں کو لہو رنگ کر دیا تھا۔
"میں ایک بلا ہوں اور تمہارا خون چوس لوں گی۔" لالہ زہر خند ہوئی تھی اور پھر کڑاہی میں ایک ساتھ ساری گولیاں ڈال کر بیٹھی تھی مگر اس کی بات سنے بغیر رخشندہ جگ اور گلاس اٹھا کر باہر نکل چکی تھی۔ لالہ نے بھی محض تین سیکنڈ بعد اس کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ اور جب وہ بغیر دستک دیے ان کے کمرے میں ٹرے ہاتھ میں پکڑے داخل ہو رہی تھی۔ تب اس نے حیام کو کہتے سنا۔
"یہ کون مرچوں کو سلگا رہا ہے۔ عجیب بو ہے جو میری ناک میں گھس کر دماغ کو چڑھ رہی ہے۔" حیام کی آنکھوں کی سرخیاں مرچوں کی اوپری جلد کے ہم رنگ ہو رہی تھیں۔ حیام اس بو کو محسوس کرتے ساتھ ہی غصے سے بپھرنے لگا تھا۔
"یہ کیسی بو" ہے؟ کیوں مرچوں کو تیلی لگا کر آئی ہو؟" وہ غصے کے عالم میں رخشہ پر چڑھ دوڑا۔
"حیام! میں نے کوئی مرچیں نہیں جلائیں۔" رخشہ اس کے تیور دیکھ کر گھبرا اٹھی تھی۔
"جھوٹ بولتی ہو تم۔" وہ غصے سے پھنکارتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا تب اس کی نظر لالہ کے چہرے سے ٹکرائی تھی، جو فتح مندی کے احساس سے مسکرائے جا رہی تھی۔ مگر بولی کچھ بھی نہیں۔ ہاتھ میں ٹرے تھی جسے دیکھ کر رخشندہ سلگ اٹھی۔
"لالہ! تمہیں کوئی اسمیل آ رہی ہے؟" وہ لالہ سے گویا تائید چاہ رہا تھا۔
"مجھے لگتا ہے۔ رخشہ نے نظر اتارنے کے بعد مرچوں کو کوئلوں پر پھینک دیا ہو گا۔" لالہ اتنے یقین بھرے انداز میں کہہ رہی تھی کہ حیام کو سچ مچ گمان ہونے لگا تھا کہ واقعی رخشہ نے ہی مرچوں کو دہکتے کوئلوں پر پھینکا تھا۔
"تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ رخشہ! تم جانتی نہیں ہو کہ مرچوں کی ناگوار بو میرے دماغ کو چڑھ جاتی ہے، میرا دل بری طرح سے گھبرانے لگتا ہے۔" وہ غصے کے مارے رخشہ کو خون آشام نظروں سے گھور رہا تھا۔ جبکہ لالہ بازی کو اپنے حق میں جاتا دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔
"یہ اسکوائش پی لیں حیام! گھبراہٹ کم ہو جائے گی۔" وہ گلاس میں اسکوائش ڈالے جلدی سے حیام کے قریب آ کر بولی تھی۔ مگر حیام نے گلاس پکڑ کر دیوار سے دے مارا تھا۔
"یہ زہر کیوں بنا کر لائی ہو؟" وہ دھاڑ کر بولا۔
"آپ نے خود کہا تھا۔" رخشہ خوف کے مارے کپکپا کر رہ گئی۔ اسے پورا یقین تھا کہ لالہ کے سلگائے تعویذ اپنا اثر دکھا گئے تھے۔ اور اسے ایک بات تو سمجھ میں آ گئی تھی کہ حیام کے ساتھ نفسیاتی مسئلہ نہیں بلکہ جادو ٹونے کا اثر تھا۔
"جھوٹ بولتی ہو۔ میں نے کب کہا تھا۔" اسے رخشہ کی ہر بات اب الٹی ہی محسوس ہوتا تھی۔ رخشہ اس صورت حال کو دیکھ کر سخت پریشان ہو گئی تھی۔
"آپ کو کیا چاہیے؟ میں وہی چیز بنا لاتی ہوں۔"
"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ تم میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔" وہ دھاڑ کر بولا۔
"حیام! چائے پیو گے؟" وہ مکار، ڈرامے باز عورت بہروپ بھرے کھڑی تھی۔ "میں تمہارے لیے چائے لائی ہوں۔" وہ سج سج قدم اٹھاتی اس کے قریب آ گئی تھی۔
"میرے سر میں بہت درد ہے لالہ!" حیام دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے اپنی لال ہوتی آنکھوں پر بازو رکھ لیے تھے۔
"یہ چائے پی لو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ دھیمے سے مسکرائی تھی، بڑی طنزیہ قسم کی مسکراہٹ تھی۔ رخشہ کا انگ انگ سلگ اٹھا تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں رخشہ کے ذہن میں کلک سے کچھ روشن ہوا تھا۔ اور اس نے سوچ لیا تھا کہ کم از کم یہ چائے حیام کو ہرگز پینے نہیں دے گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ سو اس نے اپنی اس سوچ کو یوں عملی جامہ پہنایا تھا کہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی لالہ سے اس طرح ٹکرائی تھی کہ لالہ ٹرے سنبھال نہیں سکی اور چائے سمیت ٹرے زمین پر گر گئی تھی۔ یہ سب اس قدر غیر ارادی اور اچانک ہوا تھا کہ حیام تک بھی چونک نہیں سکا۔ ویسے بھی حیام دھیرے دھیرے ہی سہی اس دھوئیں کی بو سے آزاد ہو رہا تھا۔ یعنی مرچوں کے اس دھوئیں کا اثر آہستہ آہستہ زائل ہو رہا تھا۔ اور حیام خود کو ایک شکنجے میں سے نکلا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اور جب فرش سے اٹھ کر بپھری ہوئی لالہ، رخشہ تک آئی تو حیام گویا نیند سے جاگ اٹھا۔

"تم نے مجھے دھکا دیا۔ تم نے ساری چائے گرادی۔" لالہ کسی زخمی شیرنی کی طرح پھنکار رہی تھی جب حیام ایکدم اس کے قریب چلا آیا۔

"لالہ! کیا ہوا ہے؟"

"اس نے مجھے دھکا دیا ہے۔" لالہ نے ایک دم دھواں دھار رونا شروع کردیا تھا۔ "اس نے مجھے گرایا ہے۔" لالہ کا یہ رونا دھونا "عمل" کے ضائع ہوجانے کی وجہ سے تھا۔

"نہیں لالہ! رخشہ نے تمہیں دھکا نہیں دیا۔ تم خود سنبھل نہیں سکیں۔" وہ ایک دم رخشہ کی ڈھال بن گیا تھا۔ اور رخشہ کو لگا تھا گویا ایک طوفان کا رخ حیام نے اپنی طرف موڑ لیا ہے۔

"تجھے میں زندہ نہیں چھوڑوں گی کمینی!" لالہ کا فشار خون ایک دم بلند ہوگیا تھا۔ وہ اس وقت ایک خوبصورت بلا کے روپ میں کھڑی تھی۔ ایسی حسین بلا جس کے منہ کو انسانی خون لگ گیا تھا۔

"لالہ۔" وہ رخشہ پر جھپٹنا چاہتی تھی جب حیام کی دھاڑ نما آواز نے لالہ کے قدموں تلے سے زمین کو کھسکا دیا تھا۔

"لالہ! تم پاگل ہوچکی ہو اور ہم دونوں کو بھی پاگل کر دینا چاہتی ہو۔ اللہ کا واسطہ تمہیں نکل آؤ اس پاگل پن کے فیز سے۔ مت خود کو اذیت کی بھٹی میں جھونکو اور نہ ہماری زندگیوں کو جہنم کدہ بناؤ۔" حیام کے الفاظ نے لالہ رخسار کو انگارہ بنا دیا تھا۔ جتنا بلتا سلگتا انگارہ۔

☼ ☼ ☼

"حیام! ایک بات کہوں۔" وہ دبے قدموں سے چلتی ہوئی لان میں آگئی تھی۔ دراصل اس نے دریچے میں سے حیام کو لان میں بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ چونکہ اس وقت بھی صدیقہ سمیت سب حجرہ نشین تھے سو وہ مطمئن سی باہر نکل آئی۔ حیام اخبار پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر چونک گیا۔

"تم یہاں؟"

"کیوں میں یہاں نہیں آسکتی۔؟" وہ لاڈ سے جتا کر بولتی ہوئی حیام کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کوئی کام تھا تو مجھے بلوالیتیں۔"

"میں بغیر کام کے آپ سے کوئی بات نہیں کرسکتی؟" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"کرسکتی ہو۔ بالکل کرسکتی ہو۔ مگر یوں باغ میں تمہارا آنا مناسب نہیں۔" اس نے اخبار کو لپیٹ کر میز پر رکھ دیا۔

"کبھی اس مناسب اور غیر مناسب کے چکر میں سے نکل بھی آیا کریں۔" رخشہ کا منہ کڑوا ہوگیا۔

"ٹھیک ہے جی! آپ کی بات مان لیتے ہیں۔" حیام دلکشی سے مسکرادیا تھا۔ اور اس کا موڈ خوشگوار دیکھ کر رخشہ نے پہلی مرتبہ فرمائش کرنے کا سوچا تھا۔ حالانکہ وہ پرامید نہیں تھی کہ اس کی اس خواہش کو حیام "فوراً" پورا کردے گا۔ مگر وہ خلاف توقع "فوراً" مان گیا تھا۔ گویا وہ بھی اس ماحول سے کچھ دیر کے لیے ہی سہی چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"تم چادر لے آؤ۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔"

"کیا ہم سچ مچ لانگ ڈرائیو پر جارہے ہیں؟" رخشہ ابھی تک بے یقین تھی۔

"تو اور کیا۔ خود ہی تو تم جانے کے لیے کہہ رہی ہو۔ اب اگر تمہاری پہلی فرمائش بھی پوری نہ کی تو خوا مخواہ طعنے مارتی رہو گی۔" وہ مسکراتے ہوئے سچ مچ گاڑی گیراج میں سے نکالنے چلا گیا تھا۔ اور جب وہ چادر لے کر باہر نکل رہی تھی تب لالہ اچانک اپنے حجرے میں سے نکل آئی۔

"کہاں جارہی ہو؟" عموماً ان دونوں میں بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی مگر اپنے مطلب کی بات پوچھنے کے لیے لالہ خود بخود اس سے مخاطب ہوجاتی تھی۔

"میکے۔" رخشہ نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ ورنہ لالہ کی تفتیش کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا تھا۔

"اماں جی سے پوچھا ہے؟" لالہ کے لہجے میں دائمی چبھن تھی۔

"نہیں"

"کیوں نہیں پوچھا؟" وہ ترخ کر بولی۔

"اماں جی اس وقت آرام کرتی ہیں۔ میں نے انہیں بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" رخشہ نے دل پر پتھر رکھ کر وضاحت کی۔

"میں تمہیں اماں جی کی اجازت کے بغیر جانے نہیں دوں گی۔"

"میں اپنے شوہر کے ساتھ جارہی ہوں اور اس کی اجازت کے علاوہ مجھے کسی اور کی اجازت درکار نہیں۔"

"حیام کی یہ جرأت؟" لالہ غصے سے پھنکار کر رہ گئی۔ "تم اندر چلو میں حیام کو دیکھ لیتی ہوں۔"

"میں کیوں اندر چلوں؟ میں تمہارے حکم کی پابند نہیں۔ یہ تحکم بھرا لہجہ صرف صدیقہ کے لیے استعمال کیا کرو۔" رخشہ نے انتہائی کاٹ دار لہجے میں جواب دیا تھا اور قدم باہر کی طرف بڑھادیے تھے۔ اس نے پیچھے مڑ کر لالہ کے تاثرات دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جب وہ گاڑی میں آکر بیٹھ چکی تو حیام نے گاڑی اسٹارٹ کردی اور اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اتنی دیر کیوں لگادی؟"

"میچنگ جوتے نہیں مل رہے تھے۔" اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا گفتگو اگر لالہ کی طرف مڑجاتی تو اس کا باہر نکلنا ہی فضول تھا وہ اپنے چہرے کے تاثرات بھی نارمل کرچکی تھی۔ حیام بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔

"حیام! آپ مجھے ایک بات بتائیں۔" کچھ دیر بعد رخشہ کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے بولی تھی۔

"پوچھیے" حیام دلار سے بولا۔

"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟" وہ بغیر جھجکے پوچھ رہی تھی۔ بالکل صاف اور سیدھے انداز میں۔

"ہاں!" حیام نے بھی بے ساختہ کہا۔

"کب سے؟"

"نکاح والے روز سے۔" وہ سچ کہہ رہا تھا۔ "یہ بندھن ہی ایسا ہے محبت نہ بھی ہو تو انسیت ضرور ہو جاتی ہے۔ دراصل یہی انسیت 'اپنائیت' پھر محبت میں بدل جاتی ہے۔"

"آپ نے کبھی اظہار تو نہیں کیا؟"

"کیا مطلب؟" وہ بہت دھیان سے مگر تیز ڈرائیونگ کررہا تھا۔ گاڑی اب شہری حدود میں داخل ہورہی تھی۔

"اس محبت کا جو آپ مجھ سے کرتے ہیں؟"

"پتا ہے رخشہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور اس محبت کا اظہار بھی کرنا چاہتا ہوں مگر نجانے کیا چیز ہے ایسی جو میرے تمہاری طرف مائل شدہ دل کو پلٹانا چاہتی ہے۔ موڑ دینا چاہتی ہے یا پھر اس محبت کو اکھاڑ دینا چاہتی ہے۔ کبھی کبھی میں خود بھی اپنی ذہنی اور دلی کیفیات سمجھ نہیں پاتا ہوں۔"

وہ بہت دھیمی اور آہستہ آواز میں بول رہا تھا گویا خود سے بات کررہا ہو۔ انداز بھی کھویا کھویا سا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا کہ وہ اس وقت کی کیفیات کو اب بھی محسوس کررہا ہے۔ رخشہ کا دل لمحہ بھر کے لیے بے دم سا ہوگیا۔ وہ جن کیفیات کا ذکر کررہا تھا۔ یہ سب رخشہ کو کب سے کسی انہونی کے وقوع پذیر ہونے کا اشارہ دے رہی تھیں۔ نجانے آئندہ زندگی میں کیا ہونا تھا؟ مگر وہ فی الحال آئندہ کی گھڑیوں کے خدشات کو خود پر طاری کرکے ان لمحوں کی خوبصورتی کو ختم نہیں کردینا چاہتی تھی۔ ویسے بھی گاڑی ایک فیملی ریسٹورنٹ کے سامنے رک چکی تھی۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" وہ حیرانی سے بولی تھی۔

"ظلم دیکھیے۔" جتنا بونگا اس کا سوال تھا جواب بھی ایسا ہی ملا۔ "کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں میرا خیال ہے کھانا کھانے کے لیے ہی آیا جاتا ہے نا!"

وہ جھینپ کر ہنس دی تھی۔

☼ ☼ ☼
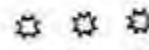
رخشہ کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک

خوبصورت شام گھر سے باہر گزار کر آنا اتنا بڑا جرم بن جائے گا۔ اور اس کا معمولی سا جھوٹ لالہ بڑھا چڑھا کر ماں کے سامنے پیش کرے گی۔ حیام تو اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور رخشہ اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی جب وہ مہاتما بدھ کے مجسمے کی صورت والی صدیقہ نجانے کس کونے سے نکل آئی تھی۔

"پہلے اماں جی کی بات سن لیں۔ پھر اپنے کمرے میں جائیے گا۔" صدیقہ سر جھکائے اس کے قریب سے گزر گئی تھی۔ رخشہ اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

"اماں جی بھلا کیا کہیں گی؟" وہ پرسوچ نظروں سے توقیر بیگم کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ دروازہ اس وقت بھی بند تھا اور ہمیشہ بند ہی رہتا تھا۔ رخشہ کچھ سوچ کر توقیر بیگم کے کمرے میں آگئی تھی۔ خلاف معمول وہ جائے نماز کے بجائے لکڑی کی بھاری کرسی پر بیٹھی تھیں۔ تسبیح ان کے ہاتھ میں تھی اور آنکھیں بھی موندر رکھی تھیں اور مسئلہ یہ تھا کہ اماں جی کو سلام کرکے بھی متوجہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک دو مرتبہ رخشہ نے انہیں دوران وظائف انہیں مخاطب کر لیا تھا اور پھر بے بھاؤ کی سننے کو ملی تھیں۔ اب وہ بہت احتیاط کرتی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز، جوتی کی ہیل اور چوڑیوں کی کھنک کے ساتھ ساتھ پرفیوم کی بھینی بھینی مہک سے اتنا تو وہ اندازہ لگا ہی چکی تھیں کہ اندر آنے والی نہ صدیقہ ہے نہ لالہ۔ مگر اس کے باوجود وہ اگلے بندے کو انتظار میں سلگا کر نجانے اپنی کون سی حس کو تسکین پہنچاتی تھیں۔

رخشہ کو کھڑے دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ ٹخنے سوجنے لگے تھے، کمر تختہ ہو چکی تھی۔ اسے رونا آرہا تھا۔ سامنے بیٹھی اس عورت کو ذرا بھر ترس نہیں آیا تھا جب آدھا گھنٹہ مزید گزر گیا۔ تب توقیر بیگم نے اپنے سرخ ڈیلوں والی آنکھوں کو کھول دیا تھا۔ اور رخشہ کی گویا جان میں جان آگئی۔

"یہ بناؤ سنگھار کرکے کہاں گئی تھیں؟" ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی پھنکار تھی۔

"حیام کے ساتھ باہر گئی تھی۔" توقیر بیگم کے لہجے کا رعب تھا یا پھر اس کے اپنے اندر سے اٹھنے والی آواز، اس نے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"میں نے تو سنا ہے تم میکے جا رہی تھیں۔" انہوں نے پورے ڈیلے گھما دیے تھے۔ اور رخشہ کا دل بھی گویا گھوم کر رہ گیا تھا۔

"جانا تو میکے ہی تھا مگر پھر ارادہ بدل گیا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے وضاحت کی۔

"جھوٹ بولتی ہو تم۔" یکدم ان کی پھنکار نما آواز دھاڑ میں بدل گئی تھی۔

"اماں جی! میں سچ بول رہی ہوں۔ میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔" وہ کپکپائی۔

"یہ بار سنگھار کس خوشی میں کیا تھا؟ اس گھر میں تمہیں لاکر میں نے کیا بکواس کی تھی۔ کیا کہا تھا میں نے کہ جب بھی سنگھار کرنا ہو اپنے کمرے تک محدود رہ کر کرنا۔ پھر یہ چمک دمک دکھا کر کس کے اندر چنگاریاں بھرنا چاہتی ہو؟" توقیر بیگم کے لفظ لفظ میں زہر تھا۔ رخشہ کانپ کانپ گئی۔

"اماں جی! ایسی بات نہیں۔ میں تو بس۔" اس سے بات نہیں بن پائی تھی۔ اور اماں جی اور بھی آگ بگولا ہو گئیں۔

"یہ طوائفوں والے انداز کسی اور کو دکھانا۔ حیام تیرے ان لچھنوں سے متاثر نہ ہوگا۔ اور تجھے اس بے حیائی کے مظاہرے پر ایسی سزا دوں گی کہ تیری روح تک کانپ جائے گی بے غیرت۔ تجھے شرم نہ آئی لالہ رخسار کے سامنے سنگھار کرکے اس کی خواہشات کو سلگانا چاہتی ہے۔"

"میری ایسی کوئی خواہش نہیں اماں جی! اور رہی لالہ رخسار کی خواہشات کی بات، لالہ کی خواہشات کو میں نہیں آپ کچل رہی ہیں۔" ان کے الزام در الزام کو سن کر رخشہ بھی سلگ کر رہ گئی تھی۔

"بکواس کرتی ہے۔ زبان چلاتی ہے۔" اماں جی کا سانولا رنگ غصے کی شدت سے سیاہ پڑ گیا۔

"میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" اگر بات اماں جی نے چھیڑ ہی دی تھی تو رخشہ نے سوچا، وہ بھی اپنے ذہن میں نمو پانے والے خیالات کا اظہار کر دے۔

"میں تیرا منہ توڑ دوں گی۔ تو ایک پاک باز سید گھرانے کی لڑکی کو کیا سمجھتی ہے۔" وہ اس پر جھپٹنے کے لیے گویا تیار تھیں۔

"عورت چاہے جس نسل، خاندان، ذات یا برادری سے ہو۔ رہتی تو عورت ہی ہے نا اماں جی! آپ عورت کی فطری خواہشات سے منکر کیوں ہوتی ہیں۔ سید گھرانے کی عورتوں کے لیے کوئی اور قانون فطرت لاگو ہوتے ہیں کیا؟" رخشہ بھی اپنے اندر کی بھڑاس نکال دینا چاہتی تھی۔

"بکواس مت کر، بدبخت عورت!" وہ چنگھاڑیں۔ "نیچ گھرانے کی عورت ہو۔ اور آج ثابت بھی کر دیا ہے آخ تھو۔ گھن آتی ہے مجھے تیری سوچ سے۔" غصے کے مارے ان کے چہرے کے زاویے بگڑ کر رہ گئے تھے۔

"اور گھن اور کراہیت آتی ہے مجھے آپ جیسے لوگوں کی سوچ سے بھی۔ جو اپنی بیٹیوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتے ہیں۔ جو قانون فطرت سے منکر ہو جاتے ہیں۔ جو صرف اپنی عورتوں کے نہیں اللہ کے بھی گنہ گار ہیں۔ آپ کس دین کی پیروکار بنتی ہیں۔ دین محمدی میں تو عورت کے مقام اور مرتبے کو اتنا بلند کیا گیا ہے۔ اسے بہن، بیٹی، ماں ہر روپ میں عزت دی گئی ہے۔ اور آپ آج تک اپنے بزرگوں کی رسموں اور فرسودہ روایات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ آپ کے بزرگ کئی سو سال ہوئے مٹی ہو گئے۔ انہوں نے قبروں سے نکل کر آپ کا گریبان نہیں پکڑنا۔ تو پھر آپ اپنی کوکھ سے جنی بیٹی کے ساتھ ظلم کیوں کر رہی ہیں۔ اسے نارمل زندگی جینے دیں اماں جی! آپ کی بیٹی دھیرے دھیرے ابنارمل ہو رہی ہے۔ پاگل ہو رہی ہے۔ اور اس پاگل پن میں وہ بہت بڑے بڑے نقصان کر دے گی۔"

رخشہ نے آج اپنے اندر کی ساری گھٹن کو باہر نکال دیا تھا۔ ادھر اماں جی کسی بپھری شیرنی کی طرح رخشہ پر جھپٹ پڑی تھیں۔ انہوں نے اس کے رخساروں کو تھپڑوں سے لال کر دیا تھا۔ رخشہ توازن برقرار نہیں رکھ پائی تھی۔ وہ منہ کے بل فرش پر گر گئی تھی۔ دراصل انہوں نے حملہ ہی اس قدر اچانک کیا تھا کہ رخشہ کوئی مزاحمت نہیں کر سکی تھی۔ سمندر ہوتی آنکھوں کو بار بار پونچھتے ہوئے اٹھ گئی۔

"حق کی بات کہنے میں مجھے کوئی شرمندگی نہیں۔ آپ ظلم کر رہی ہیں اماں جی! یہ جنگ لالہ رخسار کی نہیں۔ ایک عورت کی ہے۔ اس خاندان کی پچھلی عورتوں کی بھی جو مر چکی ہیں اور آنے والی ان عورتوں کی بھی جو حیام کی اولاد کے روپ میں جنم لیں گی۔ مجھے اس خاندان کی ہر بیٹی کے لیے "جنگ" کرنا ہے۔ اب جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

نجانے کوئی غیبی قوت تھی۔ جس نے رخشہ کے کانپتے لرزتے وجود کو ایسی ڈھارس پہنچائی تھی کہ اس باپردہ، عبادت گزار مگر درندہ نما عورت کے مقابلے میں ڈٹ گئی تھی۔ اور جس کی خاطر رخشہ حیام بھڑکتے دوزخ میں بغیر سوچے سمجھے کود پڑی تھی۔ اسی لالہ رخسار نے رخشہ حیام کے لیے ایک اور تندور بھڑکا دیا تھا۔ جس میں رخشہ حیام ایسی گری کہ پھر نکلنے کا راستہ ہی ڈھونڈتی رہ گئی۔ جھلسا دینے والی لپٹوں نے گویا رخشہ کے پورے جسم کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے مجھے بلایا ہے اماں جی!"

حیام مودب سا ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ سر جھکائے، نظر جھکائے آج تک اس کی جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ سر اٹھا کر اپنی پھوپھی سے اونچی آواز میں بات کرے۔ حالانکہ ایک وقت ایسا آیا تھا جب اس نے دبی دبی آواز میں لالہ سے نکاح کی درخواست کرنا چاہی تھی مگر جب توقیر بیگم نے سختی کے ساتھ انکار کر دیا تھا تو پھر حیام نے بھی بھول کر۔ لالہ کے بارے میں دوبارہ نہیں سوچا۔ وہ اپنی پھوپھو کا بے انتہا احترام

ہی نہیں، ان سے بے تحاشا محبت اور عقیدت بھی رکھتا تھا۔ یہ واحد عورت تھی۔ جس نے اس حویلی میں اس پر اپنے پیار کا سایہ کر رکھا تھا۔ اور ان کا ہر لفظ حیام کے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔

"ہاں بچہ! تمہیں بلایا ہے۔" انہوں نے زہر کا گھونٹ بھرا۔

"جی اماں جی! فرمائیں کیا کہنا ہے؟" اس کی آواز اور لہجہ نرم اور دبا ہوا تھا۔

"ہم نے تم سے ایک التجا کرنی تھی بچہ!" اب کے توقیر بیگم نے لہجہ بدلا۔ آواز میں نمی بھری۔

"التجا نہیں اماں جی! آپ حکم کیجیے۔" وہ گویا تڑپ کر بولا۔ "میری جان بھی حاضر ہے۔"

"سدا خوش رہو حیام! سدا جیتے رہو۔" وہ اندر تک سرشار ہو گئی تھیں۔

"جی اماں جی!" حیام ان کے حکم کو سننے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

"حیام بچہ! ذرا اپنی بیوی کو اپنے لفظوں میں سمجھا دو میری جان!" انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر لفظوں کا انتخاب کیا تھا۔

"کیا؟" حیام چونک کر رہ گیا۔

"پیر عالی حضرت کے خاندان کی رسموں، رواجوں اور روایات سے ٹکرانے کی کوشش کرنے لگی ہے۔" انہوں نے کھجور کی گٹھلیوں کی پرات کو اپنے سامنے رکھا تھا۔

"اچھا" وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

"وہ تمہاری بیوی ہے حیام! اسی لیے ہم اس کی بدتمیزیوں اور زبان درازی کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" ان کے لہجے میں واضح تنبیہ تھی۔

"اس نے آپ سے بدتمیزی کی ہے۔" حیام ایکدم ٹھٹک کر رہ گیا۔

"کی تو ہے مگر ہم نے در گزر سے کام لیا ہے۔" انہوں نے تول تول کر بتایا۔

"آپ سے بدتمیزی کیوں کی اس نے؟ رخشہ کی یہ جرات۔" وہ ایک دم غصے سے سلگ اٹھا۔ اسی خاندان کا ایک فرد تھا نا۔

"اس نے جو کہا۔ اسے بھول چکے ہیں۔ اگر بھولتے نہ تو وہ اس گھر میں دوسری سانس بھی نہیں لے سکتی تھی۔ بس آئندہ کے لیے اسے سمجھا دینا۔" ان کے ہاتھ گٹھلیوں پر رینگ رہے تھے۔ وہ استغفار پڑھ رہی تھیں۔

"اماں جی! اس نے آپ سے کس قسم کی بدتمیزی کی ہے؟" حیام اتنی جلدی اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

"نہیں میری جان! ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔ اس لیے کہ ہم واقعی بھول چکے ہیں۔" زبان پر اللہ کا نام تھا اور وہ باوضو ہو کر جھوٹ بول رہی تھیں۔ وہ کچھ بھی نہیں بھولی تھیں۔ نہ ہی بھول سکتی تھیں۔

حیام اٹھ کر اپنے کمرے کے بجائے رخشہ کے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ اس وقت بہت غصے میں تھا۔ اس کے چہرے پر غصہ واضح نظر آ رہا تھا۔ اور لب بھینچے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے کے تاثرات بہت کٹیلے تھے۔ مگر سامنے بیٹھی رخشہ کو دیکھ کر اس کا دل ڈانواں ڈول ہو گیا تھا۔ صرف لحہ بھر میں اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ اس کا غصہ پل بھر میں اڑنچھو ہو گیا۔

وہ نپے تلے قدم اٹھاتا بیڈ کے قریب آ گیا تھا۔ اور سولہ سنگھار اور حسن کو سمیٹے رخشہ سیدھی ہو گئی تھی۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی مہک نے حیام کو مسحور سا کر دیا تھا۔ اس کے دل میں موجود دبا دبا غصہ خود بخود کسی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس لمحے رخشہ اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی تھی۔

"آپ!" رخشہ نے چونکنے کی بھرپور اداکاری کی حالانکہ وہ تو کب سے حیام کی منتظر بیٹھی تھی۔ یہ ہا[illegible] سنگھار اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ م[illegible] کو کون کون سی چیزیں اٹریکٹ کرتی ہیں۔ اور پھر ا[illegible] گھٹے گھٹے ماحول میں رہنے والے مرد کو تھوڑی بہ[illegible] تبدیلی بھی ایک خوشگواریت عطا کر دیتی ہے۔ اور ا[illegible]

وقت تو رخشندہ کچھ خوف زدہ بھی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ توقیر بیگم، حیام کو خوب بھڑکا دیں گی۔ اور وہ سارا غصہ اس پر نجانے کس انداز میں نکالے گا۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ حیام اس سے توقیر بیگم سے کی جانے والی گفتگو کی تفصیل پوچھے۔ سو اس نے حیام کو اس موضوع طرف بھٹکنے ہی نہیں دیا تھا۔ رخشندہ حیام کی آنکھوں میں واضح پسندیدگی دیکھ چکی تھی۔ سو وہ ایک طرف سے تو کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔

"تمہیں خبر تھی میں ابھی آنے والا ہوں۔" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ لہجے میں محسوس کی جانے والی تازگی بھر گئی تھی۔

"آپ کی خوشبو نے بتا دیا تھا۔" رخشندہ مسکرائی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" حیام کی نظروں نے اس کے اردگرد حصار باندھ لیا تھا۔ اور حیام کی نظروں کی تپش رخشندہ کو گلنار کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر سلیپر پہننے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو۔" وہ اسے اٹھتے دیکھ کر بولا۔

"آپ کے لیے کھانا لے آتی ہوں۔ خالی باتوں سے پیٹ بھرتا ہے۔" وہ کھلے بال سمیٹ کر دوپٹہ لینا چاہتی تھی جب حیام نے اسے روک دیا۔

"رہنے دو۔ یوں ہی چڑیل کے روپ میں کھلے بالوں کے ساتھ اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"اور اسی چڑیل کے روپ میں اگر باہر چلی گئی تو آپ کے گھر والوں نے مجھ پر تین سو دو کا کیس بنوا کر جیل بھجوا دینا ہے۔" اس نے غیر محسوس انداز میں طنز کیا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ باہر نہ جاؤ۔ میرے سامنے رہو۔ میں تمہیں دیکھ دیکھ کر ہی پیٹ بھر لیتا ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر تیزی سے اپنی طرف کھینچ کر بولا تھا۔

"ایک شرط پر نہیں جاتی۔"

"فرمائیں جی۔" وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

"آپ نے آج رات یہیں رہنا ہے۔"

"کوئی اور حکم؟"

"ہماری مجال ہے جو حکم دیں۔ صرف درخواست پیش کی ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہم نے آپ کی درخواست منظور کر لی ہے۔"

"آپ ہمیشہ کے لیے اس درخواست پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ کب تک چوروں کی طرح ہمارے کمرے میں آیا کریں گے؟"

"مجبوری ہے جاناں! ورنہ ہم بھی دل اور جذبات رکھتے ہیں۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"بھلا کیسی مجبوری؟" وہ خفگی کو چھپاتی ہوئے بولی تھی۔ حالانکہ اس کی ساری مجبوریوں کو رخشندہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔

"اس گھر کے رسم، رواج یا اصول کچھ بھی سمجھ لو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اور میں ان فرسودہ اصولوں کو بدل کر رہوں گی۔" رخشندہ نے گویا دل ہی دل میں عہد باندھ لیا تھا۔ مگر اس کے سارے عہد ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔ صرف چند دن بعد ہوا کچھ یوں۔

☼ ☼ ☼

اس نے غنی کو فون کیا تھا اور اسے بے بھاؤ کی سنائی بھی تھیں۔ اور پھر اسی غصے کے عالم میں اس نے فون بھی کھٹاک سے بند کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد غنی کی کالز آنے لگی تھیں مگر رخشندہ نے فون نہیں اٹھایا۔ وہ بھی ڈھیٹوں کی طرح لگا رہا یہاں تک کہ مجبوراً" رخشندہ کو ریسیور اٹھانا پڑا تھا۔

"اب کیا تکلیف ہے؟" وہ تلملا کر غصے سے بولی۔

"تکلیف تو کوئی نہیں۔ بس تم میرے لیے جھٹ پٹ اورنج ڈیلائٹ بناؤ میں بس دو منٹ میں آیا۔"

"ٹھیک ہے، تمہارے آنے سے پہلے سویٹ ڈش تیار ہو گی۔" رخشندہ نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے کہا تھا اور پھر فون رکھ کر کچن میں چلی آئی تھی اور کچھ دیر بعد اس کے پیچھے صدیقہ بھی آ گئی۔

"کون آ رہا ہے۔"

"مہمان ہے۔"

"کہاں سے آئے گا؟" صدیقہ اب پوری تفتیش کرنے کے بعد ہی کچن سے نکلے گی، اتنا تو رخشندہ جانتی ہی تھی۔

"میرے میکے سے۔" اس نے تحمل سے جواب دیا۔

"کون ہے؟" ایک اور سوال۔

"میرا بھائی سمجھ لو۔"

"اچھا" صدیقہ نے سر ہلا دیا تھا اور رخشندہ جان چھوٹ جانے پر شکر ادا کرتی اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ اور جب وہ سویٹ ڈش بنا کر فریج میں رکھنے باہر نکلی تھی، اسی پل غنی بھی آ گیا۔ ملازم نے اسے مہمان خانے میں بٹھایا تھا۔ رخشندہ فوراً" مہمان خانے کی طرف آ گئی۔

"شکر ہے، شکل تو نظر آئی تمہاری۔ اب اگر مجھے ہی کام پڑ گیا تھا تو بھلا کیوں نہ نخرے دکھاتے۔" اس نے فوراً" طنز کیا۔

"فوراً" اپنی اوقات پر اتر آئی ہو۔ نہ چائے نہ پانی۔" غنی کا اشارہ اس کی طنزیہ گفتگو کی طرف تھا۔

"سب کچھ ملے گا کمینے، ذرا دم تو لے لو۔"

"دم نہیں لے سکتا۔ خالی پیٹ آ رہا ہوں۔ پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا۔" وہ بھی سچ مچ کمینہ ہی تھا۔ کھانے پینے کے علاوہ اسے کچھ نہیں سوجھتا تھا۔

"گھر سے خالی پیٹ کیوں آ رہے ہو؟"

"تمہاری بھابھی جو ملغوبے بناتی ہیں ناں، بس تمہارے بھائی صاحب ہی کھا سکتے ہیں اور پھر حتی مقدور تعریف بھی کرتے ہیں۔"

"کھانا، پینا حرام کر دیتے ہو۔ میں بھابھی کو بتاؤں گی۔" اس نے دھمکایا۔

"تو پھر میں بھی تمہاری ساس کو بتا آؤں گا۔"

"بھلا کیا؟" رخشندہ بولی۔

"یہی کہ میں ان کے دماغ کا علاج کرنے آیا ہوں۔"

"پھر تم ڈرائنگ روم میں ہی آ جاؤ۔" وہ بولتے ہوئے ایک راہداری کے دروازے کو کھول کر آگے بڑھ گئی تھی۔ غنی کاہلی سے وہیں بیٹھا رہا۔ مجبوراً" اسے واپس آنا پڑا۔

"یہ بھی اچھی جگہ ہے۔ ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ تم ٹرے اٹھا لاؤ۔" غنی کو یہ قدیم، بے حد قدیم طرز کی حویلی بہت اچھی اور رومانٹک سی دکھ رہی تھی۔ رخشندہ بھنا کر پلٹ گئی تھی اور پھر واپس آئی تو ہاتھ میں ٹرے تھی۔ اور جب وہ اورنج ڈیلائٹ کھا کر فارغ ہوا تو پھر رخشندہ کے حالیہ مسئلے کی طرف پوری سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہو گیا تھا۔ اتنا تو اسے یقین تھا کہ مسئلہ کافی گمبھیر ہے۔ ورنہ رخشندہ گھر کی بات بھلا اس سے شیئر کیوں کرتی۔

"دراصل میری سوچ کہتی ہے۔ ذہنی پرابلم حیام کے ساتھ نہیں بلکہ لالہ کو نفسیاتی مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر تم ہو مگر مجھے اس کا واحد حل شادی۔"

"رخشندہ بہت سوچ سمجھ کر گہری سنجیدگی کے ساتھ تمہید باندھ رہی تھی۔ ابھی وہ اس گھر میں داخل ہونے کے بعد اپنے ساتھ رونما ہونے والے واقعات سے پردہ بھی نہیں اٹھا پائی تھی۔ جب ایک دم اس کی چھٹی حس نے اسے چونکا دیا۔ وہ غنی سے بات کرتے کرتے دو مرتبہ چونکی تھی۔ دراصل چونک تو غنی بھی گیا تھا۔ ان دونوں کا ذہن فوری طور پر حالیہ مسئلے سے ہٹ گیا تھا۔ غنی ٹھٹک کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ مہمان خانے کی اونچی کھڑکیوں کے سامنے موجود پردے ہلنے لگے تھے اور پھر کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔ دروازہ غیر محسوس طریقے سے بند کیا گیا تھا عین اسی لمحے کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ لائٹ ایک دم چلی گئی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اتنا اندھیرا تھا کہ رخشندہ کی آنکھیں دیکھنے کی کوشش میں پھٹنے لگی تھیں اوپر سے سائیں سائیں کرتی سنسناتی آواز سے روح کانپ اٹھی تھی۔ رخشندہ نے گھٹی گھٹی آواز میں غنی کو پکارا۔

"غنی! کہاں ہو؟"

"رخشندہ! میں ادھر ہوں۔ دروازے کے پاس" یقیناً" وہ لاک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ کیا ہے غنی!" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بے ساختہ رو پڑی۔ دل تھا کہ سوکھے پتے کی طرح سے لرز رہا تھا۔

"ہائے رخشی! تمہارے گھر میں تو بھوتوں کا سایہ لگتا ہے۔" غنی ہلکے پھلکے لہجے میں مذاقاً بولا تھا تاکہ اس کا خوف کچھ کم ہو سکے۔ وہ برابر ہینڈل گھمائے جا رہا تھا۔ مگر دروازہ یقیناً "لاک کر دیا گیا تھا۔ رخشندہ احتیاط سے دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔

"رخشی! یہ اچانک کیا ہوا ہے؟ کس نے لائٹ آف کی؟ اور ہمیں کمرے میں بند کر دیا؟" غنی کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کچھ بہت برا یا انہونا ہونے والا ہے۔

"پتا نہیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے غنی! تم کسی کو آواز دو۔ ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔" وہ ہاتھ پیر چھوڑ قریب ہی رکھے کاؤچ پر ڈھے گئی تھی۔

"حوصلہ پکڑو رخشی! اور ذرا اپنے دماغ کو جگا کر سوچو۔ یہ جو کچھ کیا گیا ہے۔ بہت غلط انداز میں کیا گیا ہے۔ رخشی! مجھے لگتا ہے۔ تم نے مجھے اپنے گھر میں بلوا کر ایک بڑی مصیبت میں خود کو مبتلا کر لیا ہے۔ میرا یہاں موجود رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ مجھے کسی نہ کسی طریقے باہر نکلنا چاہیے۔ ورنہ بہت برا ہو گا۔ رخشی۔ اتم ایک بڑی سازش کا شکار ہو چکی ہو۔"

غنی حاضر دماغی سے کام لے رہا تھا۔ اس نے پینٹ کی پاکٹ میں سے اپنا سیل فون نکال کر لائٹ آن کی تھی۔ اب وہ پورے ہال کا مدہم سی روشنی کی کرن سے جائزہ لے رہا تھا۔ دراصل وہ کوئی روشن دان اور کھڑکی دیکھ رہا تھا جس سے باہر نکلنا اس کے لیے آسان ہو جاتا۔

"میں نے اسی لیے تو تمہیں گھر بلایا ہے تاکہ یہاں آکر دیکھو اس گھر کے مکینوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے، کیوں وہ دوسروں کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔" وہ سینے میں اٹکی سانسوں کو ہموار کرنے کے چکر میں پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ اس کا پورا وجود خوف سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ ہونٹ نیلے اور خشک ہو رہے تھے۔ اسی پل مدہم قدموں کی چاپ بھی سنائی دی۔

"رخشندہ! یہاں سے باہر نہیں نکلا جا سکتا؟"

"نہیں۔" کلک کی آواز سے دروازہ کھل گیا تھا۔ رخشندہ ابھی کچھ بولنا چاہتی تھی مگر حیام کو اندر آتا دیکھ کر دہل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک دم روشنی سے پورا کمرا بھی نہا گیا تھا۔ رخشندہ کاؤچ پر بے دم سی بیٹھی تھی۔ جبکہ غنی بھاری کھڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ حیام نے تلے قدم اٹھاتا غنی کے قریب چلا آیا تھا جبکہ اس کے چہرے کے تاثرات رخشندہ کا دل پھاڑ چکے تھے۔ حیام اس وقت حیام نہیں کوئی بپھرا ہوا طوفان لگ رہا تھا۔

"یہاں سے نکلنا بہت مشکل ہے جو آجاتا ہے۔ واپس نہیں جا سکتا۔ جب تک ہم نہ چاہیں۔" یہ آواز توقیر بیگم کی تھی۔ جو اس وقت انسانی شکل میں ایک بلا کی صورت لیے کھڑی تھیں ان کے لب زہر اگل رہے تھے۔

"اس مقدس گھر کی دیواروں نے بے حیائی کے اس منظر کو دیکھ کیسے لیا؟ یہ دیواریں اور چھتیں ڈھے کیوں نہیں گئیں؟ یہاں زلزلہ کیوں نہیں آیا؟ ہائے اس گھر کی کنواری عورتیں پاکیزگی کی زندگی بسر کر کے دنیا سے پردہ پوش ہو گئیں۔ ان کے بعد اس گھر میں بے حیائی اور بے غیرتی کی فلمیں چلنی تھیں کیا؟"

"تم نے اچھا نہیں کیا رخشندہ" حیام پلٹ کر رخشندہ تک آیا تھا۔ اس کی آنکھیں لہو رنگ تھیں۔ اور وہ وہی کچھ دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ اسے بتایا اور دکھایا گیا تھا۔

"میری عزت کے ساتھ کھیل کر تم نے مجھے جیتے جی مار دیا ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے، ورنہ میں ایک نہیں دو قتل کر دوں گا۔ چلی جاؤ رخشندہ! میں نے تمہیں اپنے دل اور گھر دونوں سے نکال دیا۔" حیام کی لال ہوتی آنکھوں میں نفرتوں کا طوفان امڈ رہا تھا۔ رخشندہ بے قرار ہو کر حیام کے قدموں میں ڈھے گئی۔

"حیام! مجھے غلط مت سمجھو۔ میں تمہاری عزت داغ دار کرنے سے پہلے زہر پی لوں گی۔ مجھے غلط مت سمجھو حیام! میری بات سنو میں سب جا...

ہوں۔ یوں بدگمان ہونا ٹھیک نہیں، دیکھو، آج میں تمہیں بتاؤں گی۔ تمہارے اس گھر کی بنیادوں کو کون سی چیز ہلا رہی ہے؟ تمہارے گھر کی عورتیں کس نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہیں۔ مجھے ایک موقع دو میری بات تو سن لو۔"

وہ گڑگڑا رہی تھی چلا رہی تھی۔ توقیر بیگم کسی زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑیں۔ انہوں نے لاتوں اور گھونسوں سے رخشندہ کو مارنا شروع کر دیا۔

"نکل جا یہاں سے گندی عورت! میں تیرا سایہ بھی لالہ رخسار پر نہ پڑنے دوں۔" وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھیں۔ غنی سے یہ ظلم یہ تشدد دیکھا نہ گیا تھا۔ وہ تڑپ کر آگے بڑھا۔

"رک جایے خاتون! ہاتھ مت لگایے گا اسے۔"

"تو کون ہے اس کا بے غیرت انسان! عاشق ہے کیا؟" وہ دھاڑ کر بولیں۔

"میں اس کے بھائیوں جیسا بھائی ہوں۔ آپ اپنی گندی سوچ اور آلودہ نظر سے سب کو نہ دیکھیں تو بہتر ہے۔" غنی ضبط کرتے کرتے بھی پھٹ پڑا۔

"لے جا اس ناپاک، کنجری اور بدمعاش عورت کو اپنے ساتھ۔" توقیر بیگم نے فرش پر تھوک دیا۔

"تم نے سچ کہا تھا رخشندہ! ان لوگوں کو دماغی علاج کی ضرورت ہے۔ اٹھو یہاں سے، اور چلو میرے ساتھ۔ بظاہر پاکیزہ اور مقدس نظر آنے والے لوگوں کی سوچ کتنی بدبودار گٹر کی بو جیسی ہوتی ہے یہ تو میں نے بھی سوچا نہ تھا۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔ رخشندہ جانا نہیں چاہتی تھی، وہ منتیں کر کر کے بے حال ہو رہی تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر حیام کے پیر پکڑنا چاہتی تھی مگر منظر پھر سے بدل گیا تھا، حیام اس کی طرف دیکھے بغیر چلا گیا۔ توقیر بیگم نے زہر خند نظر اس کی طرف اچھالی اور ایک دفعہ پھر سے فرش پر تھوک دیا۔

"بڑی آئی تھی لالہ رخسار کی شادی کروانے والی۔ بھلا میں اس کا نکاح کسی مرد ذات سے ہونے دوں گی؟ کبھی نہیں، کبھی نہیں۔ خود ہی چلی گئی بے چاری گالہ کو آباد کرتے کرتے خود برباد ہو گئی ہاہاہا۔"

وہ نفرت سے سوچ رہی تھیں۔ لالہ رخسار نے اپنے پیروں کو خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ لیا تھا۔ دراصل وہ ہی تو تھی جو توقیر بیگم کو حجرے میں سے نکال کر باہر لائی تھی۔ اور اس وقت وہ فتح مندی کے جذبات سے سرشار اوپر منزل کے جھروکے میں کھڑی تھی۔

وہ بکھری بکھری رخشندہ کو اس گھر سے نکلتا دیکھ رہی تھی۔ رخشندہ نے آخری نگاہ درد میں ڈوبی ہوئی حویلی کی بلند عمارت کی طرف اٹھائی تھی اور پتھر ہو کر رہ گئی۔ اس نے لالہ رخسار کو مسکراتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور گویا وہ جان گئی تھی کہ لالہ رخسار اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اس کا دل زخم زخم ہو گیا تھا اور وہ زرگون غنی کے پیچھے چل رہی تھی سر جھکائے ہوئے۔ لالہ نے جھروکے میں کھڑے کھڑے دور تک پھیلی جاگیروں کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"صدیقہ!"

"جی کراں، میں صدقے جاں۔" (جی فرمائیں میں صدقے جاؤں) وہ اس کے پیچھے ہی تو ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

"وہ چلی گئی صدیقہ؟" وہ گویا خوشی کے مارے حواس باختہ ہو رہی تھی۔

"جی بی بی! وہ چلی گئیں۔"

"اور حیام؟"

"پیر حیام واپس آ چکے ہیں لالہ بی بی!"

"تم سچ کہہ رہی ہو؟" لالہ گویا بے یقین تھی۔

"جی بی بی!" وہ مودب تھی۔ ہاں میں ہاں ملانے کی پابند تھی۔

"تو پھر یوں کرو۔ میری طرف سے حیام کو نکاح کا پیغام دو۔ میں اب مزید دیر نہیں کر سکتی۔" اس کا انداز اٹل تھا۔

"جو حکم بی بی!" اس نے سر جھکا کے کہا۔

"جاؤ۔"

"کیا ابھی کہوں؟" صدیقہ تذبذب کا شکار تھی۔ وہ

اتنی جلد بازی کے حق میں نہیں تھی۔

"ہاں۔" لالہ دور بہت دور تک پھیلے اونچے درختوں کی اونچی شاخوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی خواہش اس کے خواب اتنے اونچے نہیں تھے مگر ان کو حاصل کرنے کے لیے اس نے ہر جائز ناجائز طریقے کو استعمال کرلیا تھا۔ دریچے میں یوں ہی کھڑے کھڑے وہ ماضی کے پر پیچ راستوں پر نکل کھڑی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

نئے چاند کی پہلی تاریخ تھی۔ باریک سانولی چوڑی جیسا چاند آسمان کے سینے پر اپنی چاندنی بکھیرنے سے قاصر تھا۔ تاریک سی گہری اداس رات تھی۔ ارد گرد کے دیہاتوں اور اس گھنے جنگل جیسے درختوں میں چھپے جانور عجیب وحشت طاری کردینے والی آوازیں نکال رہے تھے۔

ابھی تو رات کا آغاز تھا، مگر ہر سو ہولناک قسم کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسی بھید بھری خاموشی کہ دل سوکھے پتے کی طرح سے لرزا جارہا تھا۔ وہ بستر پر کروٹیں بدل بدل کر عاجز آچکی تھی۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ گیا تھا، اور نیند تھی کہ نجانے کس شہر روٹھ کر چلی گئی تھی۔ سارے گھر پر ہو کا عالم طاری تھا۔ وہ بستر چھوڑ کر بالآخر اٹھ کھڑی ہوئی۔ حالانکہ توقیر بیگم نے سختی سے تاکید کررکھی تھی کہ وہ رات کے کسی بھی پہر اپنے کمرے سے باہر دکھائی نہ دے۔ حتیٰ کہ پانی پینے کے لیے بھی نہیں۔ مگر اب کچھ عرصے سے اس کے اندر عجیب بغاوت اتر آئی تھی۔ اور وہ ہمیشہ اس کام کو کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ جو توقیر بیگم کو غصہ دلانے کا باعث بنتا۔

بھلا لالہ رخسار میں ایسی تبدیلیاں آنا کب سے شروع ہوئی تھیں؟ اس وقت جب اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ پورے اٹھائیس سال کی ہوگئی ہے۔ یا پھر اس وقت جب توقیر بیگم کا اکلوتا لاڈلا بھتیجا، حکم کو ''فرماں بردار'' بھتیجا اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

حیام سے اسے محبت نہیں تھی۔ نہ کل کبھی ہوئی تھی اور نہ آج تھی۔ وہ تو بس لالہ کو اچھا لگتا تھا، صرف شادی کے لیے۔ کیا فرق پڑتا تھا کہ اس کی شادی حیام سے ہوتی یا پھر کسی سے بھی۔ اسے تو بس اس گھٹن سے نجات چاہیے تھی۔ جو دھیرے دھیرے دیمک کی طرح اسے چاٹ رہی تھی۔

اور حیام تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں تھا، صدیوں کا سفر طے کرتی پھر بھی حیام تک نہ آپاتی۔ اتنے ہی فاصلے تھے۔ اس کے اور حیام کے درمیان۔

وہ بہت چپ رہتا تھا۔ بات کرتا تو نظر کو زمین میں گاڑ دیتا۔ کبھی چونک کر یا ٹھٹک کر اس نے ارد گرد دیکھا ہی نہیں تھا کہ کیسی قیامت اس کے آس پاس موجود ہے۔ عجب بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ اور لالہ رخسار دل ہی دل میں گیلی لکڑی کی طرح سے سلگتی رہتی تھی۔

یہ نومبر کی اس سرد رات کی بات ہے۔

وہ اپنے کمرے سے اٹھ کر لاؤنج میں آگئی تھی۔ اس کے کمرے کا دروازہ گیلری میں کھلتا تھا۔ لاؤنج کے داخلی دروازے کے بالکل ساتھ حیام کا کمرا تھا۔ گیلری کے دوسرے کونے پر توقیر بیگم اور صدیقہ کے کمرے تھے۔ حیام کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ چلتی ہوئی سیدھی اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے آرکی۔ مگر دستک دینے کی ہمت بھلا کہاں سے لاتی۔ یوں رات کے اس پہر حیام کے کمرے میں جانا کس قدر معیوب تھا، مگر وہ بے چینی، اس گھبراہٹ اور تنہائی کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں تک چلی آئی تھی۔

اس نے بہت ہمت کے بعد دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا اور دروازہ گویا خود بخود کھلتا چلا گیا۔ اس نے کچھ سوچ کر کمرے میں قدم رکھ کر دروازہ پھر سے بند کردیا تھا۔ حیام کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھا۔

"آپ۔" حیام اسے دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔ یوں کہ اس کے ہاتھ میں موجود کتاب پھسل گئی تھی۔ وہ حواس باختہ سا کھڑا ہوگیا۔ "کوئی کام تھا کیا؟" غیر ارادی سی نظر اٹھی تھی اور پھر خود بخود جھک گئی۔

"کیوں کام کے علاوہ میں تمہارے کمرے میں تم سے بات کرنے نہیں آسکتی۔" اس نے اطمینان سے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر صبح کہہ لیتیں۔ اس وقت کچھ مناسب نہیں لگتا۔" اس نے ہنوز نظر جھکائے جھکائے کہا۔

"میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا؟"

"نہیں تو میں بھی بس بور ہی ہو رہا تھا۔" دراصل آج سے پہلے کبھی لالہ سے اس نے تنہائی میں بات نہیں کی تھی، بلکہ ان کے درمیان بہت کم بات ہوتی تھی۔ اکثر لالہ کو اگر کچھ شہر سے منگوانا ہوتا تو وہ صدیقہ کو ایک چٹ لکھ کر دے دیتی تھی اور اس کی مطلوبہ چیزیں آجاتیں۔

"آپ ابھی تک جاگ رہی تھیں؟" حیام نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"بس نیند نہیں آرہی تھی اور یہ تم مجھے اتنے تکلف سے کیوں بلاتے ہو، نام لیا کرو میرا، مجھے اچھا لگتا ہے۔" لالہ نے بے تکلفی کی پہلی رسم کا آغاز کیا تھا۔

"وہ اماں جی ناراض ہوں گی۔" حیام بھی توقیر بیگم کو پھوپھی کے بجائے اماں جی ہی کہا کرتا تھا، کیونکہ توقیر بیگم نے ہی اس کی پرورش کی تھی۔ اور وہ لالہ کی طرح ہی اماں جی سے خوف زدہ رہتا تھا۔

"اماں جی کچھ نہیں کہیں گی، اب تو اماں جی کے خوف سے آزاد ہو جاؤ۔"

لالہ نے اطمینان سے کہا تھا۔

"اماں جی سے ڈرتا نہیں ہوں، مگر ان کے احترام اور رعب کی وجہ سے کچھ ایسا نہیں بولنا چاہتا جو انہیں ناگوار گزرے۔ ایسی بے تکلفی انہیں پسند جو نہیں۔"

وہ صاف اور سیدھی بات کررہا تھا، کیونکہ لگی لپٹی تو اسے آتی نہیں تھی۔

"کیا تمہیں نہیں لگتا، ہم دونوں اتنے قریبی رشتے اور تعلق کے باوجود ایک دوسرے سے کتنے فاصلے پر ہیں۔ تم تو کالج اور یونیورسٹی میں پڑھے ہو۔ دنیا دیکھی ہے تم نے کیا تمہیں نہیں لگتا، ہم دونوں کزنز ہونے کے باوجود دوست نہیں ہیں۔" لالہ کے لہجے میں حسرتوں کا طوفان تھا۔

"دراصل یہ بات ہے کہ ہمارے گھر کا ماحول ان باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔" بہت دیر سوچنے کے بعد حیام نے کہا بھی تو صرف اتنا۔

"اس گھر کا ماحول کب بدلے گا۔ جب ہم زندہ نہیں رہیں گے؟ آخر کون بدلے گا اس گھر کا ماحول حیام!" لالہ گویا سسک اٹھی۔

"کبھی نہیں بدلے گا، اس گھر کا ماحول ایسا ہی رہے گا، یہ پیروں کا معزز ترین گھرانہ ہے۔ اس گھر کی عورتیں ہمیشہ باپردہ رہی ہیں۔ کبھی نامحرم ملازم تک اندر نہیں آیا۔ ہم پیر ہیں اور ہماری پیروی ہمارے مریدین اور عقیدت مند کرتے ہیں۔ (اس وقت توقیر بیگم کے پاس ہزاروں عقیدت مند دعا کے لیے آتے تھے۔ یہ چند سال پہلے کی بات ہے۔ اب اس سلسلے کو ختم کروا دیا گیا تھا، کیونکہ توقیر بیگم گوشہ نشین ہوگئی تھیں۔ عورتوں کے سامنے بھی نہیں آتی تھیں۔) ہر نسل میں ہماری ایک عورت اس گدی پر بیٹھتی ہے، جس گدی پر اماں جی موجود ہیں اور لالہ رخسار! آپ کو اسی گدی پر بیٹھنا ہے اور جب آپ کی باری آئے گی تو پھر مریدین کے آنے کا دوبارہ سے سلسلہ شروع کردیا جائے گا۔ کئی نسلوں سے یہ ہی ہوتا آرہا ہے۔ اس خاندان کی آپ واحد اور اکلوتی عورت ہیں، جبکہ میں تو ایک دوسرے خاندان کا فرد ہوں۔ اماں جی کا بھتیجا ہوں۔ میرا آپ کی اس گدی سے کوئی لینا دینا نہیں، اس گدی پر آپ کو ہی بیٹھنا ہے، جلد یا بدیر۔"

حیام نے سچائی کی انتہا کردی تھی۔ لالہ اس سچائی کو سن کر گویا بپھر گئی۔

"مجھے نفرت ہے ان باتوں سے، میں ہرگز بھی یہ سب نہیں کرسکتی جو اماں جی نے کیا۔ ضروری نہیں کہ میرے نصیب بھی میری ماں جیسے ہوں۔ انہوں نے بیوگی کے بعد زندگی کی ہر خوشی خود پر حرام کرلی۔ اپنی زندگی کے دروازے خود اپنے اوپر بند کرلیے تھے، مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔"

"میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔" حیام نے سر جھکائے

کہا۔ وہ اخبار اٹھا کر ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ اور وہ یہ کام نہ جانے کتنی دیر سے کر رہا تھا۔ ایک اضطراری قسم کی حرکت تھی۔

"تم کچھ نہ کہو، بس اتنا کرلو کہ میرے دکھ سکھ سن لیا کرو، میری دل کی باتیں، میرے اندر کی بھڑاس، کیا تم ایسا کرو گے؟"

لالہ نے گویا التجا کی تھی۔ آنسو بھری حسین گہری گلابی اور خمار آلود آنکھیں، اس کی دوشیزگی، دلکشی اور بانک پن وہ کسی بھی ہوش مند آدمی کو اپنی نظروں کے تیر سے گھائل کر سکتی تھی۔ مگر حیام وامق گھائل ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی غیر ارادتاً" اٹھنے والی نظر بھی احترام کے رنگوں سے جھکی ہوئی تھی۔

"آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ اگر اماں جی کو خبر ہوگئی، میں جانتا ہوں، انہیں خبر ہو جائے گی۔" حیام نے گھبرا کر کہا۔

"تو مجھے کوئی پروا نہیں۔" لالہ بے خوف تھی۔

"پر مجھے ہے۔" حیام اپنی بات پر زور دے کر بولا۔

"مجھے آپ کی عزت ہی نہیں اس گھرانے کی عزت بھی عزیز ہے۔ میں نے اس گھر کا رزق کھایا ہے، اور مجھے اماں جی کی نظر میں ہمیشہ سرخرو رہنا ہے۔"

"اور چاہے تمہاری نظر کے سامنے ایک وجود گل سڑ کر ختم ہو جائے؟" وہ زخمی نظر سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں تم سے کچھ زیادہ تو نہیں مانگ رہی، صرف چند گھڑیاں، صرف چند لمحے۔"

"آپ مجھ سے یہی بات کرنے کے لیے آئی تھیں۔" اگرچہ وہ اس کی ایک ایک بات سے متفق تھا۔ مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا اول روز سے حیام نے اس گھر کے چند ایک اصول دیکھے تھے۔ اور یہ اصول بہت پرانے اور بوسیدہ تھے۔ پہلے پہل جب لالہ کے دادا جان پیر عالی حضرت زندہ تھے تب تو حیام کو اندرونی حصے میں جانے کی اجازت تک نہیں تھی۔ ان کے مرنے کے بعد اماں جی نے اس کے لیے اندرونی دروازے کھلوائے تھے۔ اور اس کا کمرا اب بھی داخلی دروازے کے پاس تھا۔

"نہیں، کہنا تو اور بھی بہت کچھ تھا، مگر پھر سہی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "تم نوکری کیوں تلاش کر رہے ہو؟ بھلا تمہیں نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ جاگیریں اور ان کی آمدن، یہ سب کچھ ہمارا، تمہارا ہی تو ہے۔"

"نہیں، یہ صرف آپ کا ہے، میرا نہیں، اور میں نے تعلیم اسی لیے حاصل کی ہے کہ تاکہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکوں۔" اور یہ سچ ہی تھا۔ وہ شروع ہی سے اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا کہ اسے خود کو کسی قابل بنانا ہے، تاکہ اپنی پہچان خود بنا سکے۔

"اچھا، ایک بات تو بتاؤ؟" وہ جان بوجھ کر باتوں کو کھینچ کھینچ کر لمبا کر رہی تھی۔ "تم نے کالج میں کسی سے دوستی کی؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، میرا مزاج ایسا نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"وہ تو لگ رہا ہے۔" لالہ نے بھنا کر کہا۔ "تم کس دنیا میں رہتے ہو حیام؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"تم سمجھ بھی بھلا کیسے سکتے ہو؟" وہ مایوسی بھرے لہجے میں بولی۔

"اب آپ جائیے پلیز! بہت وقت ہو چکا ہے۔" اس نے کوئی تیسری مرتبہ کہا تھا۔

"پہلے کہو لالہ۔" نہ جانے لالہ کو کیا سوجھا تھا، وہ ایک دم آنکھوں میں شرارت بھر کر بولی۔ "میرا نام لو، پھر جاؤں گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" وہ جز بز ہوا۔

"بولو نا... ورنہ میں ہرگز بھی نہیں جاؤں گی۔" لالہ اسے اکسا رہی تھی۔

"پلیز لالہ! جائیے اپنے کمرے میں جائیے۔"

"آپ، جناب کہنا چھوڑ دو۔" لالہ بے ساختہ اس جیت پر خوش ہوگئی تھی۔ اور اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ اس مٹی سے بنے وجود کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لے گی۔

"اچھا۔" حیام نے گویا جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

"اچھا چلتی ہوں، صبح ملاقات ہوگی۔" لالہ کو گویا اس کی حالت پر ترس آگیا تھا۔ اور وہ مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبا کر باہر نکل رہی تھی۔ مگر ایک، دو مرتبہ اس نے مڑ کر گم صم بیٹھے حیام کی طرف ضرور دیکھا تھا۔ اور اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"صدیقہ! میرا ناشتا کمرے میں رکھ دو۔" وہ زمینوں کے حساب کتاب والا رجسٹر توقیر بیگم کو دکھا کر سارا حساب سمجھا آیا تھا۔ کل پیداوار، کل خرچہ اور کل آمدنی، فصل کی ساری رقم وہ ہمیشہ کی طرح توقیر بیگم کو دے کر باہر نکلا تو صدیقہ کو دیکھ کر ناشتے کے بارے میں کہتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کے کپڑے کافی میلے ہو رہے تھے۔ دراصل وہ اس وقت پانی لگوا کر آرہا تھا۔ جب تک اسے ڈھنگ کی جاب نہیں مل رہی تھی۔ وہ اپنا پورا وقت زمینوں کی دیکھ بھال میں صرف کر رہا تھا۔ فارغ رہنے سے بہتر مصروفیت تھی اور آج کل تو حیام ویسے بھی لالہ سے بچنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی لا کہتی بولتی آنکھیں حیام کو ایک خوف میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ وہ جتنا اس سے کترا رہا تھا۔ وہ اسی قدر اس کے قریب آنے کی کوشش میں تھی اور حیام کو لگتا تھا کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔

ابھی وہ نہا کر واش روم سے نکلا ہی تھا جب لالہ کو ناشتے والی ٹرے میز پر رکھتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"صدیقہ کہاں ہے؟" وہ ناگواری چھپاتے ہوئے بولا۔

"وہ اماں جی کے کمرے میں چلی گئی ہے ان کی ٹانگیں دبانے، دوپہر کے کھانے سے پہلے نہیں نکلے گی۔ تم اطمینان رکھو۔" لالہ نے مطمئن انداز میں کہا تھا جبکہ حیام کی پیشانی پر سلوٹ پڑ گئی۔

"آپ کو میرے کمرے میں نہیں آنا چاہیے؟"

"کیوں نہیں آنا چاہیے؟"

"یہ سب ٹھیک نہیں، پلیز، آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ جھنجلا کر رہ گیا تھا۔ جو کچھ وہ اسے سمجھانا چاہتا تھا، لالہ جانتے بوجھتے بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"تم مجھ سے گھبراتے کیوں ہو؟ اس قدر کتراتے کیوں ہو؟" گہری اداسیاں لالہ کی سمندر آنکھوں میں اتر آئیں۔

"نہیں تو ایسی تو بات نہیں۔" وہ صاف مکر گیا۔

"ایسی بات ہے۔" لالہ اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی۔ "تم کیوں نہیں چاہتے، ہمارے درمیان سے اجنبیت کی دیواریں گر جائیں، ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے کچھ دیر کے لیے بات کر لیا کریں، تم میری اتنی سی خواہش پوری نہیں کر سکتے؟"

"یہ ناممکن ہے، ایسا نہیں ہو سکتا، بھلا ہمارے خاندان میں ایسی باتیں زیب دیتی ہیں اور پھر آپ تو پیر عالی حضرت کی پوتی ہیں، ان کی گدی کی واحد حق دار۔"

"اللہ کا واسطہ تمہیں، یہ گدی کی بات میرے سامنے نہ کیا کرو۔" لالہ نے اپنے کنول جیسے نرم ملائم سفید ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تھے اور حیام واثق پھر سے نظر چرا گیا۔

"مجھے نہیں خواہش اس گھر کے ایک کمرے میں قید اپنی زندگی کو زنگ لگانے کی۔"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں، کرنا تو آپ کو یہ ہی ہے۔" وہ الجھ کر بولا۔

"تم ہی تو سب کچھ کر سکتے ہو۔" یکایک لالہ کی آنکھیں ستاروں کی طرح سے چمکنے لگیں۔

صحیح وقت پر صحیح فیصلے نہ کیے جائیں یا فطری خواہشوں اور امنگوں پر زبردستی کے بند باندھیں تو خود بخود ایک چور راستہ کھل جاتا ہے۔ لالہ رخسار اسی چور دروازے کے غیر مناسب اور ٹیڑھے میڑھے راستے پر کھڑی تھی۔ حواس باختہ، الجھی، پریشان اور ڈبل مائنڈڈ۔

"میں بھلا کیا کروں گا، میرے اختیار میں کچھ نہیں۔"

"تم ایسا مت سوچو، تمہیں ذلیل و رسوا کرنے والے، روٹی کے ٹکڑے جتانے والے کب کے راہی عدم ہوئے۔ قرار کا احاطہ ان قبروں سے بھرا ہوا ہے۔ اب تمہیں بنظر کوئی نہ دیکھے گا۔ پھر کا ہے کا خوف حیام!" وہ مچل کر بے قراری سے بولتی چلی گئی۔

"پھر بھی میں اپنا مقام نہیں بھول سکتا، ایک طوائف کا بیٹا ہی رہوں گا۔ پیر عالی حضرت کے خاندان کا حصہ نہیں بن جاؤں گا۔" وہ خطرناک حد تک صاف گو تھا۔

"تم دادا حضرت کے بھانجے کے بیٹے ہی رہو گے۔ چاہے تمہاری ماں جس خاندان، قبیلے یا پیشے سے تعلق رکھتی ہو، تم اس خاندان کا حصہ ہو، یہ حقیقت کوئی نہیں نظر انداز کر سکتا۔"

"اس بحث کو جانے دیجیے، آپ مجھ حقیر پر ایک مہربانی کر دیجیے۔" وہ نچلا لب دانتوں تلے دبا کر رخ موڑ گیا۔

"یہاں سے چلی جاؤں؟ یہ ہی کہنا چاہتے ہو نا؟" وہ گویا اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

"اگر آپ کو مجھ پر رحم آتا ہے تو چلی جائیں۔"

"یوں رخ مت موڑا کرو حیام! میرا دل دکھتا ہے۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے چھلکتی آنکھوں کے کٹوروں کو بے دردی سے رگڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

پیر عالی حضرت اپنی خاندانی گدی کے اصل وارث یعنی لالہ کے والد پیر ذاکر کی حادثاتی موت کے دکھ کو دل میں سموئے اپنی آخری گنی چنی سانسوں میں اپنی گدی کو پیر ذاکر کی بیوہ اور اپنی سگی بھانجی توقیر بیگم کے حوالے کر کے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند گئے تھے۔

توقیر بیگم جو کہ ازل سے اس گھر کی دیواروں میں سانسیں لے رہی تھیں۔ اس بھاری ذمہ داری کے بوجھ تلے دب کر رہ گئیں۔ مگر ایک خوشی اور دل میں چبھن دیتی پھانس پیر ذاکر کی موت کی صورت میں تو نکل ہی چکی تھی۔

انہوں نے ایسا ظالم اور جابر آدمی کوئی نہیں دیکھا تھا اور ان کا ظلم اور جبر سوائے حیام کے اور کسی کے لیے نہیں تھا۔ پیر عالی حضرت کو اپنی بہو اور بھانجی کے سگے یتیم بھتیجے سے اس لیے نفرت تھی کہ ان کے بھانجے پیر واثق ۔۔۔ ایک ایسی عورت جو گناہ کی دلدل سے نکل کر پاکیزگی کے سفر پر نکلی تھی کے ہمراہ تھے۔ اللہ نے اسے حیام جیسے بیٹے کی نعمت سے بھی نواز دیا تھا۔ مگر ایک حادثہ ان دونوں کو نگل گیا۔ معصوم حیام اپنی پھوپھی توقیر بیگم کی گود میں پہنچ گیا اور یہاں سے اس کی زندگی کے تلخ ترین دور کا آغاز ہو گیا تھا۔

پیر عالی حضرت کی نگری میں حیام کو لمحہ لمحہ نفرتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پیر ذاکر اسے کسی کتے کی طرح ناپاک اور کسی چھوت کی بیماری میں مبتلا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک طوائف کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ نہایت کریہہ اور ناپاک تھا۔ سو وہ اپنی پھوپھی کی مہربانی سے ہمیشہ اس گھر سے دور ایک درس گاہ میں زیر تعلیم رہا۔ مگر جب بھی اسے واپس گھر آنا پڑتا اور یہاں آکر رہتا تو یہ دن اس کی زندگی کے عذاب ناک دن بن جاتے۔

پیر صاحب کا جلال اسے دیکھ کر امڈ آتا۔ وہ قرآن پاک کو ہاتھ میں پکڑتے آنکھوں سے چومتے اور اسے وضو کرنے کا اشارہ کرتے۔ وہ وضو کر کے آجاتا تو ان کی گرج دار آواز اس کی روح تک کو لرزا کر رکھ دیتی۔

"پارہ نمبر تیرہ، سورۃ الرعد، آیت نمبر تین سے شروع ہو جاؤ۔"

"پیر صاحب! میں کسی مدرسہ میں نہیں پڑھتا، یہ ایک اسکول ہے جہاں انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔ اور میں قرآن پاک ناظرہ پڑھ سکتا ہوں اور مجھے سورۃ البقرہ، سورۃ یوسف، سورۃ الرحمن اور سورۃ یاسین زبانی یاد ہے۔ جو آپ کہیں میں سنا دیتا ہوں۔" وہ تھر تھر کانپتے ہوئے لرزتی آواز میں کہتا تھا اور پیر صاحب کا ہنٹر ایک دم بل کھانے لگتا۔

"کافر! تجھے پیروں کے خاندان میں نہیں پیدا ہونا

چاہیے تھا' تو قرآن پاک کا حافظ نہیں' تجھے اللہ کا کلام یاد نہیں۔" ہنٹر کی شائیں شائیں اور پھر گہری ضربیں۔ حیام کی چیخیں زنان خانے کے در و دیوار تک ہلا کر رکھ دیتی تھیں۔ توقیر بیگم جائے نماز پر بیٹھی ہوتی تھیں وہ حیام کی چیخوں کو سن کر ہذیانی انداز میں فرش پر ٹکریں مارنے لگتیں۔

"مار دیا' ہائے مار دیا' حیام کو مار دیا۔" وہ سسک سسک کر روتی جاتیں۔ ادھر پیر صاحب کے مرید اٹھا کر حیام کو گھر چھوڑ جاتے' تب صدیقہ کی اماں رفیقہ بھی ہوا کرتی تھی اور وہ پوری رات حیام کے جسم پر ہلدی کا لیپ اور ٹکوریں کرتی۔ وہ ایسی نفرت' ذلت اور حقارت کو سہتے سہتے جوان ہوا تھا۔

پیر صاحب اسے گھر کے اندر پھوپھی سے ملنے کے لیے بھی نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ پابندی اس وقت عائد ہوئی تھی جب انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی اکلوتی پوتی لالہ رخسار جوان ہو گئی ہے۔

پیر صاحب مر گئے تو گدی پر توقیر بیگم کو بٹھایا گیا۔ عقیدت مندوں کی لائنیں' عرس' لنگر' دعائیں' فریادیں۔ بہت جلد توقیر بیگم اس ہجوم سے گھبرا کر گوشہ نشین ہو گئی تھیں۔ مریدین کو منع کر دیا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

زنان خانے کے در و دیوار ایک گہری خاموشی کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ اس خاموشی کے پردے کو بھی کبھی لالہ کی سسکیاں چاک کر دیتی تھیں۔

رات کی ہولناک تاریکیوں میں جب لوگ اپنے بستروں میں گہری نیند کے مزے لے رہے ہوتے تھے۔ لالہ رخسار ننگے پیر فرش پر چلتی تھی اور اسے لگتا تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے آبلے پڑے ہیں۔

اور وہ زخمی قدموں سے چلتی ہوئی ایک مرتبہ پھر حیام کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ مگر آج دروازہ اندر سے لاک تھا۔

"حیام! دروازہ کھولو۔" وہ دھیرے دھیرے دستک دے رہی تھی۔ مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی حیام جاگ رہا ہے۔ مگر جان بوجھ کر دروازہ نہیں کھول رہا۔

"حیام! میں کہہ رہی ہوں' دروازہ کھولو۔" وہ دبی آواز میں چیخی۔ "میں شور مچا دوں گی' اگر تم نے دروازہ نہ کھولا۔" اس کی دھمکیاں بے اثر تھیں۔

"تم مان جاؤ گے ایک دن' سرنگوں ہو جاؤ گے' پھر سارے دروازے کھل جائیں گے۔" اس کے آنسو فرش پر گر رہے تھے۔

"یہ سانسوں میں اتری گھٹن دور بہت دور چلی جائے گی۔ ایک دن پیر عالی حضرت کے زنان خانے میں بچوں کی کھلکھلاہٹیں اور قلقاریاں گونجیں گی۔" وہ سسک رہی تھی' سسکتی جا رہی تھی۔

"ایک نسل کی امین عورت کو پھر کوئی بھی مرد طاقت کے زور پر گدی پر نہیں بٹھائے گا اور نہ ہی قسموں اور وعدوں میں جکڑ کر عورت کی فطری خواہشوں کو خود کشی کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ عورت کو تعویذ دھاگوں میں الجھا کر ایک کمرے میں بند کر دینے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ گھروں کی زینت و زیبائش اور افزائش نسل کے لیے اسے مرد کا رفیق بنایا گیا ہے تو پھر یہ قید تنہائی کے عذاب بخش کر عورت کی توہین کیوں کی جاتی ہے؟" وہ فرش پر گرنے والے اپنے آنسوؤں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"نہیں' اماں جی! آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی' لالہ رخسار توقیر بیگم نہیں ہو سکتی جو پیر عالی حضرت کے حکم پر ایک کمرے میں اپنی زندگی کے سارے ماہ و سال گزار دے۔ میں لالہ رخسار ہوں۔ اور میں اپنے حصے کی خوشیاں چھین کر بھی حاصل کر لوں گی۔ آپ دیکھ لینا اماں جی! میں یہ کر کے رہوں گی اور اس کے لیے مجھے حیام کو سیڑھی بنانا پڑا تو یہ بھی کر گزروں گی۔ میں پرانی رسموں اور رواجوں پر خود کو قربان نہیں کر سکتی۔ نہیں' اماں جی! کبھی بھی نہیں۔" وہ تھک کر بکھر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"حیام!" مانوس سی اپنائیت سے بھری اس آواز کو

سن کر حیام رک گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹریکٹر کی چابیاں تھیں اور وہ ہل چلانے کے لیے زمینوں پر جا رہا تھا۔ مگر لالہ کی آواز سن کر رک گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" وہ بڑے سے ٹینٹ کو اپنے ارد گرد لپیٹے ہوئے تھی۔ اس چادر کو اتارنے کی کبھی بھی اجازت نہیں ملی تھی اور یہ چادر اتارنا بھی ایک بد شگونی سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ کبھی کبھی حیام کو بھی ان خیمہ نما چادروں سے بڑی الجھن ہوتی تھی۔ گھر میں سر ڈھکنے کے لیے لباس سے ہم رنگ دوپٹے اوڑھ لینے میں بھلا کیا حرج تھا۔ مگر یہ پشت ہا پشت سے رسومات چلی آ رہی تھیں۔ جن کی پیروی کو شہعتی ارکان کی طرح لازمی سمجھا جاتا تھا۔

"زمینوں پر۔" اس نے مختصر بتایا۔

"مجھے کہیں جانا ہے' لے چلو گے کیا؟" لالہ تیز تیز بول رہی تھی گویا کہ اسے بہت جلدی تھی۔

اس وقت تو نہیں' گھنٹے' ڈیڑھ گھنٹے تک آ جاؤں گا۔ حیام نے سنجیدگی سے بتایا۔

"نہیں سورج ڈھلنے تک مجھے وہاں پہنچنا ہے۔ ورنہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم زبان دانتوں تلے دبا کر چپ کر گئی۔

"تو پھر مجھے واقعی دیر ہو جائے گی۔ آج ہل چلانا ضروری نہ ہوتا تو میں آپ کو لے جاتا۔ آپ نے خانقاہ ہی جانا ہو گا تو آپ صدیقہ کو ساتھ لے جائیے۔"

اس نے خود ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ لالہ نے خانقاہ کے علاوہ بھلا کہاں جانا ہے۔ حالانکہ آج جمعرات کا دن نہیں تھا اور جمعرات کے علاوہ لالہ کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ آج منگل کا دن تھا۔ یعنی بدھ ہر کام سُدھ اور منگل یعنی سنگل (زنجیر) اور یہ عمل اسی وقت کیا جاتا تھا جب دو وقت مل رہے ہوتے۔ یعنی دن شام سے بغل گیر ہو رہا ہوتا۔ یہ وقت کسی بھی عمل کے لیے مناسب تھا۔

"اماں جی کو مت بتانا۔" وہ پلٹنے لگا تھا جب لالہ نے جلدی سے کہا۔

"تو اس میں چھپانے والی کیا بات ہے؟" حیام حیران ہوا۔

"وہ دراصل آج جمعرات نہیں ہے نا۔" اس نے پریشانی کی اصل وجہ بتا دی تھی' اب کے حیام بھی چونکا۔

"تو پھر آپ کیوں جا رہی ہیں؟"

"بس بابا صاحب اور دادا صاحب کی قبروں پر پھول چڑھانے ہیں۔ نئے غلاف چڑھاؤں گی' دل بہت بے قرار تھا۔ سوچا بزرگوں کی قبروں پر چراغ جلا آؤں۔" اس نے وجہ کافی معقول بتائی تھی۔ اسی لیے حیام چپ سا کر گیا۔

"پھر بھی آپ اماں جی کو بتا دیں۔"

"نہیں بتا سکتی' وہ منع کر دیں گی۔"

"یوں بغیر بتائے جانا مناسب نہیں۔" وہ سوچ میں گم تھا۔

"تم ہر وقت مناسب اور غیر مناسب کے چکروں میں پڑے رہا کرو۔" لالہ کو غصہ آ گیا۔

"میں اب جاؤں؟" حیام اجازت چاہ رہا تھا۔

"کچھ دیر اور رک جاؤ۔" لالہ نے گویا فرمائش کر دی۔

"کتنی دیر تک۔" وہ گھڑی پر نظر ڈال کر بولا۔

"اگر میں کہوں پوری زندگی۔" لالہ انوکھی باتیں ہی تو کرتی تھی۔

"تو میں کہوں گا کہ یہ ممکن نہیں۔"

"کیوں ممکن نہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"آپ نہ جانے کیسی باتیں کرتی ہیں' میرے تو کچھ پلے نہیں پڑتا۔"

"سب کچھ سمجھتے ہو اور پھر بھی انجان بنتے ہو۔" لالہ کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔ "کب تک نگاہ چراؤ گے؟ کب تک نا سمجھ بنو گے؟"

وہ نچلے ہونٹ کو اذیت سے کچلتے ہوئے پلٹ گئی تھی' جبکہ حیام بھی سوچتا ہوا باہر نکل گیا۔ مگر پہلی مرتبہ اپنے کام کی طرف اس کی توجہ نہیں تھی۔ اس کا ذہن بار بار بھٹک جاتا تھا اور دھیان کی سوئی لالہ کی گہری باتوں میں اٹک جاتی۔ اسی لیے کچھ ہی دیر میں وہ ٹریکٹر بند

کیے خانقاہ کی طرف جارہا تھا۔ یہ سب غیر ارادی تھا۔ وہ جاتا تو گھر کی طرف چاہتا تھا مگر قدم اس کے خانقاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا لالہ اس وقت خانقاہ میں موجود ہوگی۔ مگر اس کی آنکھیں اس وقت تحیر زدہ رہ گئی تھیں جب اس نے لالہ کو صدیقہ کے ہمراہ خانقاہ کے بجائے سائیں جی کے جھونپڑے سے نکلتے دیکھا تھا اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوگئی تھیں۔

"لالہ یہاں کیا کررہی ہیں؟"

☼ ☼ ☼

"آپ خانقاہ گئی تھیں؟" دوسرے دن از خود حیام کو گول کمرے میں آتا دیکھ کر لالہ سمجھ تو گئی تھی مگر خوشی اس بات کی تھی کہ حیام آج خود اس کے پاس آیا تھا' چاہے کچھ پوچھنے یا تفتیش کرنے ہی سہی۔

"ہاں۔۔۔" اس نے چمکتی آنکھوں سے جھوٹ بولا۔

"نہیں' آپ وہاں نہیں گئی تھیں۔" حیام نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

"میں خانقاہ گئی تھی۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولی۔

"تم نہیں گئی تھیں۔" ایک دم بلا ارادہ اس کے منہ سے پھسل پڑا تھا اور جب اسے اپنے منہ سے نکلنے والے لفظ تم کا احساس ہوا تو گویا وہ شرمندہ ہو کر رہ گیا تھا۔

"ایک دفعہ پھر کہو۔" لالہ نے گویا خوب ہی لطف لیا تھا اور اسے یہ بے تکلفی کی طرف پہلا قدم کامیابی کی ایک کڑی معلوم ہونے لگا تھا۔

"میری بات کا جواب دیں۔" وہ سنبھل کر گویا ہوا۔

"پہلے آپ جناب کہنا ترک کردو' پھر بتاؤں گی۔"

اس نے اطمینان سے شرط بتادی۔

"پتا تو مجھے چل ہی گیا ہے' نہ بھی بتائیں گی تو فرق نہیں پڑے گا' تاہم مجھے آپ کی غلط بیانی پر شدید افسوس ہوا ہے۔"

"میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔" وہ صاف مکر گئی۔

"آپ سائیں جی کے حجرے میں کیا کرنے گئی تھیں؟" حیام نے بے حد ناگواری سے پوچھا۔

"وہ ایک فقیر آدمی ہیں۔ ان سے دعا کروانی تھی۔"

لالہ نے بلا تر وجہ بتادی۔

"وہ فقیر نہیں' ایک جادوگر ہے' کالا علم ہے اس کے پاس۔ رات بھر قبرستان میں بیٹھا چلے کاٹتا ہے۔ آئندہ اس طرف مت جائیے گا۔ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔ جھوٹی باتیں اور جھوٹے قصے سناتا ہے۔ آپ کو بھلا کیا ضرورت ہے دعائیں کروانے کی۔ اگر دعا مانگنی ہے تو اللہ سے مانگیں۔ ایک بات یاد رکھیے' اللہ کے علاوہ آپ کے دکھ' درد' غم' فکریں کوئی اور دور نہیں کرسکتا۔ آپ اپنے دل کی بھڑاس' اپنی تنہائیوں کی باتیں اللہ سے کیا کریں۔ وہ آپ کے راز کسی اور کو نہیں بتائے گا۔"

حیام نرمی سے سمجھانے والے انداز میں بول رہا تھا اور لالہ بھلا سن کہاں رہی تھی۔ وہ تو حیام کو بس دیکھے جارہی تھی۔ دیکھے جارہی تھی۔ آج وہ اسے عام دنوں سے بھی زیادہ اچھا لگ رہا تھا' بہت اپنا اپنا سا۔

"آپ آئندہ وہاں نہیں جائیں گی۔"

"میں ضرور جاؤں گی۔" وہ ضدی پن سے بولی۔

"لالہ! وہاں جانا ٹھیک نہیں۔" حیام کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیسے سمجھائے۔

"کیوں ٹھیک نہیں؟" لالہ مسکرادی۔ "ادھر جانا تو بہت مبارک ثابت ہوا ہے' حیام کو میری فکر لاحق ہوگئی ہے۔" وہ معنی خیزی سے بولی تھی اور اسے گویا یقین آگیا تھا کہ سائیں جی کا عمل کامیاب ہوگیا ہے۔ حیام کی اس کے لیے فکر' یہ توجہ اور احساس کرنے کا انداز لالہ کو مطمئن کررہے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ اسے ایک' دو مرتبہ مزید سائیں جی کے حجرے میں جانا پڑے گا۔ حیام کو اپنی طرف مزید مائل کرنے کے لیے نئے چاند کی رات کا عمل بہت ضروری تھا۔

"آپ وہاں نہیں جائیں گی' اگر میں نے پھر

آپ کو ادھر دیکھ لیا تو پھر نتائج کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔" حیام کا انداز وارننگ دینے والا تھا۔

"کیا کرو گے؟" لالہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"یہ بعد کی بات ہے' آپ احتیاط کیجیے گا۔" وہ جانے لگا تھا جب لالہ نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

"بات سنو۔"

"جی۔" وہ رک گیا تھا۔

"چائے لاؤں تمہارے لیے؟" لالہ ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ لیے پوچھ رہی تھی۔

"نیکی کا ارادہ ہے تو کر دیجیے۔" وہ پہلی مرتبہ مسکرایا تھا۔

"ٹھیک ہے' تم جاؤ اپنے کمرے میں۔" لالہ چادر کے ایک کونے کو ہاتھ میں دبا کر بولی تھی۔

"چائے صدیقہ کے ہاتھ بھجوائیے گا۔" وہ جاتے جاتے تنبیہ کرنا نہیں بھولا تھا۔ لالہ ایک دفعہ پھر سے مسکرائی۔

"تم فکر نہ کرو' میں نہیں آؤں گی۔" لالہ نے اسے تسلی دے کر بھیجا تھا اور خود کچن میں چلی آئی تھی اور جب چائے بن گئی تو اس نے چادر کے کونے میں بندھی پڑیا کو کھول کر چائے میں گھول دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"صدیقہ! ایک بات تو بتاؤ؟" صدیقہ اس کے کمرے میں موجود تھی اور لالہ کے لیے' سیاہ بالوں میں تیل لگا رہی تھی۔ حالانکہ صدیقہ کو بھی نہ بولنے کی بیماری لاحق تھی۔ ایک چپ کا تالا صدیقہ کے ہونٹوں پر بھی لگا رہتا تھا۔ اور وہ بھی خاموشی کی بکل اس گھر کے مکینوں کی طرح لپیٹے رکھتی تھی۔

"جی۔" صدیقہ کے ہونٹ محض دھیرے سے پھڑپھڑائے تھے۔

"تم نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"اس بات کا کیسے خیال آگیا آپ کو؟" صدیقہ کے ہاتھوں کی حرکت لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔

"بس ایسے ہی' تمہارے سفید بالوں کو دیکھ کر۔" لالہ نیل کٹر سے ناخن تراش رہی تھی۔ مگر اس کا سارا دھیان صدیقہ کی طرف تھا۔

"آپ جانتی تو ہیں۔" صدیقہ تھکی تھکی آواز میں بولی۔

"میری ماں نے اماں جی سے دعا کروائی تھی کہ اگر اس دفعہ بیٹا ہوا تو مجھ کو عمر بھر کے لیے آپ کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر دے گی۔ سال کو بیٹا مل گیا اور اس نے اپنی منت مجھے یہاں بھیج کر پوری کر دی۔" صدیقہ نے سانولے ہاتھوں کی جھریوں میں شاید گزرے ماہ و سال تلاش کرنا شروع کر دیے تھے۔

"اور تم نے خاموشی سے اپنی ماں کی طرف سے دی گئی اس سزا کو قبول کر لیا؟" وہ بجھے دل سے پوچھ رہی تھی۔

"تو اور کیا کرتی۔"

"اس گھٹن سے دل نہیں گھبراتا؟" ایک دم ہی لالہ کا دل گہری کھائی میں جا گرا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟" وہ بے چین ہوا تھی۔

"بس عادت ہو گئی ہے۔" صدیقہ افسردگی سے بولی۔

"یہ کہو صبر کر لیا ہے۔"

"یہ ہی سمجھ لیں۔"

"پھر میرے لیے بھی ایسے ہی صبر کی دعا کرو' میں بھی اپنے حال سے راضی ہو جاؤں۔" وہ صدیقہ کے اٹھ کر چلے جانے کے بعد زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

اور اس شب اسے توقیر بیگم نے اپنے کمرے میں بلوا لیا تھا۔ نہ جانے انہوں نے لالہ سے کیا بات کرنا تھی۔ پورے دو گھنٹے تک لالہ ان کا انتظار کرتی رہی تھی۔ عمران کے سجدے طویل سے طویل تر ہو رہے تھے۔ تیسرا گھنٹہ شروع ہوا تو لالہ کا صبر بھی جواب دے گیا تھا۔ وہ اٹھ کر جانے لگی تھی' جب انہوں نے اسے آواز دے کر روکا۔

"رک جاؤ لالہ رخسار۔"

"جی اماں!" وہ رک بھی گئی تھی اور پلٹ بھی آئی بڑی جلالی قسم کی آواز تھی۔ لالہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"آج کل کہاں ہوتی ہو؟" پہلا سوال ہی خاصا دہلا دینے والا تھا۔ لالہ کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔

"اپنے کمرے میں اماں جی! اور کہاں جانا ہے۔"

"جھوٹ بھی بولنے لگی ہو؟" ان کی آواز میں پھنکار تھی۔

"نن' نہیں اماں جی!" وہ ہکلا کر رہ گئی تھی۔ ان کی شخصیت کا رعب ہی کچھ ایسا تھا' کسی کی جرأت نہیں تھی کہ کوئی اونچی آواز میں ان کے سامنے بول سکتا۔ وہ خوف کے مارے زرد پڑ گئی تھی۔ یہ اس کی ماں تھی جس کے سامنے بات کرتے ہوئے ہزار مرتبہ سوچنا پڑتا تھا بھلا مائیں ایسی ہوتی ہیں؟

"اماں جی! ایسا کچھ نہیں' میں کیوں جھوٹ۔"

"بکواس نہ کرو۔" وہ اسے جھڑک کر بولیں۔ "کن کاموں میں جان کھپا رہی ہو آج کل؟ کس راستے پر چل پڑی ہو؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہیں ایک اعلا منصب ملنے والا ہے' یہ شان' یہ رتبہ' یہ بزرگی تمہیں عطا کر دی جائے گی تو پھر کیوں دنیا کے جھمیلوں میں پڑ رہی ہو؟ اپنے نفس کو اور خواہشات کو لگام دے لو۔ یہ ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یہ جھاڑ' پھونک' یہ سفلی عملیات' یہ سب تمہیں زیب دیتا ہے؟" جلال کے مارے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"مم' مجھے یہ بزرگی' یہ عظمت' یہ منصب' ان میں سے کچھ نہیں چاہیے اماں جی۔" وہ دھیمی آواز میں بولی تھی۔

"تو کیا چاہتی ہے؟" ان کے اندر گویا بھانبڑ جل اٹھے تھے۔ گول گول ڈیلوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

"مجھے یہ جاگیریں' مرتبے اور شان و شوکت نہیں چاہیے۔ مریدوں کی آنکھوں میں موجود عقیدت نہیں چاہیے۔ میں دیوی نہیں بننا چاہتی کہ لوگ آکر مجھے پوجتے رہیں۔ میں اس کمرے میں قید ہونا بھی نہیں چاہتی اماں جی! مجھے ایک جھونپڑی کی ضرورت ہے ایک ایسا کچا پکا مکان' جس کے ہر دروازے میں ننھے منے بچوں کی قلقاریاں گونجنے کی آواز سنائی دے۔"

بھلا اس سے بڑھ کر وہ اور کتنا کھول کھول کر بتاتی کہ اسے بیوگی نما زندگی نہیں چاہیے۔ اسے تارک نہیں بننا۔ اس کی خواہشات تُن کردہ کو نکوں کی دکتی بھی بن گئی تھیں۔

"یہ رسم ہے ہمارے خاندان کی۔ جو آدمی اولاد نرینہ سے محروم اس دنیا سے جاتا ہے۔ اس کی بیٹی کو ہی گدی کا وارث بنایا جاتا ہے' تجھے اس گدی پر بیٹھنا ہے ہر صورت۔"

"اماں جی! آپ میری ماں ہیں اور آپ بھی میری بات سمجھ نہیں پا رہیں۔ آپ اپنی بیٹی کو کیوں زندہ درگور کر دینا چاہتی ہیں؟" وہ دونوں ہاتھ جوڑے گویا التجا کر رہی تھی۔

"تجھے غیرت نہ آئی۔ پیر عالی حضرت کی پوتی ہو کر ایک مرد کو لبھانے کی کوشش کرتی ہے۔ آج کے بعد تجھے ٹونے کرتا دیکھ لیا تو یاد رکھنا مائی نجماں کے تندور میں راتوں رات پھنکوا دوں گی۔" ان کا وجود غیض و غضب سے ——— کانپ رہا تھا ادھر لالہ رخسار نے حقارت سے اس کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔

"ہونہہ' کیا کر لیں گی آپ۔ میں ان لفظوں کے تیروں سے گھائل نہیں ہو سکتی۔ جو چاہے کہہ لیں مگر ایک بات تو طے ہے۔ اپنے حصے کی خوشی کو میں کسی اور کی جھولی میں نہیں گرنے دوں گی۔"

اس کمرے کی قبر سے باہر نکلتے ہوئے لالہ رخسار نے حقارت سے سوچا تھا۔ اور تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس کے ہاتھ میں ایک صراحی موجود تھی۔ جس کو گرد و تندے سے بھرا ہوا تھا۔ کھجور کی گٹھلیوں کی ایک لمبی سی مالا تھی جو اس نے اپنے گلے میں ڈال رکھی تھی۔ دوسری ہتھیلی پر ایک دیا رکھا ہوا تھا۔ دیا جل رہا تھا اور اس دیے میں تعویذ بھی موجود تھے۔ جو دھیرے

دھیرے سلگ رہے تھے۔ وہ ناک کی سیدھ میں چلتی جا رہی تھی۔

اس کا رخ حیام کے کمرے کی طرف تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نیند میں دھت حیام کے پلنگ کے ارد گرد گول گول گھوم رہی تھی۔ اس کے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے۔ اور وہ تعویذوں کے دھوئیں کو پورے کمرے میں پھیلا دینا چاہتی تھی۔ اسے حیام کی نیند ٹوٹ جانے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ کیونکہ آج دودھ میں اس نے نیند کی گولیاں گھول کر اسے پلا دی تھیں اور یہ کام وہ پچھلے ایک ہفتے سے کر رہی تھی۔ اس کام سے مطمئن ہو کر وہ احتیاط سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی تھی۔

اس سے اگلی رات بھی لالہ نے یہی عمل دہرایا تھا۔ اس رات بھی وہ حیام کے گرد چکر لگا کر کھلے آسمان تلے چلی آئی تھی۔ اب وہ سر سے چادر اتار رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے سر کے بال کھول دیے اور پیشانی کو ٹھنڈے فرش پر رکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

"اے اللہ! میں نہیں جانتی' یہ کام ٹھیک ہے یا غلط' گناہ کا کام ہے یا ثواب کا۔ حیام کا دل میری طرف مائل ہو رہا ہے اور یہ میرے لیے بڑی کامیابی ہے مالک! میں تیرے بندوں کی دیوی نہیں بن سکتی۔ وہ بندے تیرے' اور آئیں میرے پاس' اور میں بغیر علم کے بغیر علم کی سوجھ بوجھ کے انہیں گمراہ کر دوں' نہیں مالک! یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ اس گدی پر تیرے عبادت گزار' متقی اور پرہیز گار بندے بیٹھنے کے اہل ہیں۔ جو تیری سچی بندگی میں مشغول رہتے ہیں۔ جن پر نفس حاوی نہیں ہوتا۔ خواہشیں جن سے دور ہوتی ہیں جو گھر اور در کی امید نہیں کرتے' جو چاہے جانے اور سراہے جانے کی طلب نہیں کرتے۔ جن کے دل میں کی چاہ نہیں ہوتی۔ اور میں بھلا کون ہوں؟ ایک عورت جو اپنا جائز مقام اور نام چاہتی ہے۔ میں ایک ایب نارمل زندگی کی تمنائی نہیں۔ یا اللہ! مجھے توقیر بیگم نہیں بننا اور نہ ہی میں خانقاہ میں دفن شدہ ان عورتوں جیسی زندگی گزارنا چاہتی ہوں جن کے چاند' درخت اور قرآن پاک سے نکاح کیے گئے تھے۔ مجھے اس غیر فطری زندگی سے بچا لے میرے مالک۔"

وہ اپنی پیشانی پٹخ پٹخ کر رو رہی تھی اور اس کمرے کی چھت کے نیچے توقیر بیگم اپنے چہرے پر جلال کے سارے رنگ لیے تسبیح پڑھتے ہوئے دائیں بائیں سر ہلا رہی تھیں۔ ان کے چہرے کی پر اسرار لکیریں۔ اور ان لکیروں میں توقیر بیگم کی اپنی زندگی کی داستان کا لفظ لفظ چیخیں مار مار کر رو رہا تھا۔

"کبھی نہیں' کبھی نہیں' تجھ کو اسی مقبرے میں بجنا ہے میری بچی' یہ مقبرہ ہی تمہاری زندگی کا حاصل ہے۔ میری بدصورت اور کریہہ شکل والی جوانی بھی اسی مقبرے میں گل سڑ گئی تھی۔ تیرا حسن' تیری دوشیزگی اور تابناکی و درخشندگی بھی اسی مقبرے میں گل سڑ جائے گی۔ حیام تیرا کبھی نہ ہو پائے گا میری جان! کیونکہ میں حیام کو ایسا کرنے نہیں دوں گی۔ پیرزادگی کی نسل کی اس آخری عورت کو اپنے باپ' دادا کے گناہوں اور جرم عظیم کی کچھ تو سزا پانی چاہیے نا۔" وہ وحشت کے عالم میں ان دیواروں سے پوچھ رہی تھیں۔ جو ہمیشہ کی طرح خاموش' چپ اور اداس تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس کے عمل کا آج اٹھارواں دن تھا۔ سائیں جی نے کہا تھا کہ اس کی منزل اب بہت قریب ہے۔ ایسے حالات میں اسے مزید ثابت قدم رہنا چاہیے۔ وہ آج پھر وہی۔ عمل دہرا رہی تھی۔ رات کا انتہائی پہر تھا۔ ہر سو ہولناک سناٹا اور گہری مہیب خاموشی تھی۔ وہ عمل کے انتہائی حصے میں پہنچی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا تھا حیام کا شعور گہری نیند سویا ہوا ہے۔ لاشعور اس پر حاوی تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر دراصل وہ نیند میں تھا اور نیند کی حالت میں ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور نیند ہی کی حالت میں چلنے اور بولنے لگا تھا۔ کھویا کھویا سا سویا سویا سا۔ سائیں جی کا عمل کامیابی کے آخری کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ حیام کی سوچنے اور محسوس کرنے والی دماغی صلاحیتوں کو سلب ہو [illegible] تھیں۔ یہ اثر لمحاتی ہوتا تھا۔ یعنی کچھ گھڑیوں پر

تعویذوں کے جلنے کا اثر اس قدر شدید ہوتا تھا کہ حیام سُدھ بُدھ بھول کر دوبارہ نیند میں دھت ہو جاتا۔ لیکن پریشانی یہ تھی کہ نیند کی حالت میں کہی وہ اپنی ہر بات بھول جاتا تھا۔

نہ جانے یہ کیسا عمل تھا اور اس کا نتیجہ کیا نکلتا۔ وہ گھبرا گئی تھی کہ کہیں حیام کی دماغی حالت ان تعویذوں کی نحوست کی وجہ سے ابتر نہ ہو جائے اور عام حالت میں بھی حیام پر اس کا اثر قائم نہ رہے۔ اس نے اپنے خوف کو سائیں جی کے سامنے ظاہر کر دیا تھا۔ وہ پریشان تھی کہ کہیں شادی کے بعد بھی حیام پر ایسی کیفیات طاری نہ رہیں۔

سائیں جی نے اسے ہر طرح سے تسلی دی تھی۔ انہوں نے لالہ کو بتایا تھا کہ ان کا علم اتنا سخت نہیں مکمل ہو جانے پر حیام کی ذہنی حالت پر کوئی اثر نہیں رہے گا۔ حیام دھیرے دھیرے ہی سہی اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ عام طور پر رات کو نیند کی حالت میں نہیں چلتا تھا۔ مگر جب بھی لالہ مہینے میں ایک مرتبہ اپنا عمل دہراتی تھی' تب تعویذوں کی گھبراہٹ اور عمل کی سختی اس کی طبیعت کو حد درجہ خراب کر دیتی تھی اور یہ عموماً" مہینے میں ایک مرتبہ ہوتا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حیام کو صبح تک اپنی رات والی کیفیت بھول جایا کرتی تھی۔ اسے قطعاً" کچھ بھی یاد نہیں رہتا تھا۔

اس دن حیام بہت خوش تھا۔ اسے نوکری مل گئی تھی۔ اور وہ اپنی خوشی سب سے پہلے لالہ سے شیئر کرنے گھر بھاگا بھاگا چلا آیا تھا۔

"مجھے جاب مل گئی۔" اس کی بے ساختہ خوشی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

"مبارک ہو۔" لالہ نے اپنی خوشی کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟"

"کیا مجھے خوش ہونا چاہیے تھا؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بولی۔ دراصل وہ اس کے جواب کی گہرائی کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔

"ہاں۔"

"پر کیوں؟ نوکری تو تمہیں ملی ہے۔" لالہ نے معنی خیزی سے کہا۔

"بس ایسے ہی۔" حیام سے جواب بن نہیں پایا تھا اور پھر وہ اس کے پاس رکا بھی نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں لالہ اس کے سامنے ہوتی تو وہ عجیب و غریب قسم کی کیفیات کا شکار ہو جاتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا گویا اس کا ذہن دھیرے دھیرے سونے لگا ہے۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کسی قوت کے زیر اثر ہیں۔ اور وہ خود کو لالہ کے سامنے مکمل طور پر بے بس پاتا ہے۔ اسے یوں لگتا تھا گویا وہ لالہ کے سامنے کبھی اپنی مرضی کی گفتگو نہیں کر پائے گا۔ وہ صرف لالہ کی زبان میں بات کرے گا۔ اور اس کے ذہن سے ہی سوچے گا بھی۔ بھلا یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ حیام سمجھنے اور نہ سمجھنے کے درمیان الجھا ہوا تھا۔ اپنے اندر کی گھٹن' بے چینی اور گھبراہٹ کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی' صرف کچھ عرصے سے وہ ان کیفیات کے زیر اثر تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ چاند کی پھر۔۔۔ آخر راتیں تھیں۔ لالہ پچھلے صحن میں مٹی کی کٹوری میں تیل ڈالے عمل کرنے میں مصروف تھی اور جب اس کا عمل اختتام کو پہنچنے لگا تو صدیقہ کی آواز نے اسے کپکپا کر رکھ دیا۔

"کیوں آئی ہو میرے پیچھے۔" وہ پھنکار کر بولی تھی۔

"اماں جی نے آپ کو بلوایا ہے۔" صدیقہ کچھ خوف زدہ تھی۔ یقیناً" اماں جی کو دھوئیں کی بدبو اور تعویذ جلانے کی مخصوص مہک نے چونکا دیا تھا۔

"تم چلو' میں آتی ہوں۔" وہ مٹی کی کٹوری کو ایک گملے کی اوٹ میں کر کے توقیر بیگم کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ توقیر بیگم جاگ رہی تھیں اور اس وقت جائے نماز کے بجائے کمرے میں بڑے جلال کے عالم میں ٹہل رہی تھیں۔

"جی اماں!" اس نے سر جھکائے ادب سے کہا۔ وہ

کافی دیر اسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہی تھیں اور پھر کرخت آواز میں پوچھنے لگیں۔

"کیا چاہتی ہے تو؟ کیا چاہیے تجھے؟"

"حیام۔" لالہ کا اطمینان قابل دید تھا۔

"بے غیرت' بے شرم! تیرے منہ میں انگارے پڑیں بدبخت' بے حیائی کی بات کرتی ہے۔" وہ بھپر کر اس تک آئی تھیں اور پھر اس کے منہ پر زور کا طمانچہ جڑ دیا۔ "تیرے سفلی عمل' یہ جادو ٹونے' ان سے تجھے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

"یہ عمل' یہ ٹونے مجھے خوشی اور سکون نہیں دیتے۔ میں یہ سب چھوڑ دیتی ہوں اماں جی! پر میری ایک بات سمجھ لو نا۔ آپ۔ آپ میری شادی حیام سے کردو۔ اس جاگیر اور دھن دولت کے سارے اختیار حیام کو دے دینا' اور میں ایک عام عورت جیسی زندگی کو اپنا لوں گی۔ آپ تو میری ماں ہو نا اماں جی! اور مائیں تو بن کہے اندر کا حال جان لیتی ہیں' پھر میرے اندر کی خواہشوں کا حال آپ تک کیوں نہیں پہنچا۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑے سسک رہی تھی جب توقیر بیگم نے ایک دم دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا۔

"میں سب سمجھتی ہوں' پر پھر بھی مجبور ہوں۔"

"کیسی مجبوری اماں جی! آپ کے سر پر کون تلوار لے کر کھڑا ہے؟ آپ اپنے فیصلوں میں بااختیار ہیں۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔

"میں اپنے بزرگوں کی مجرم نہیں بن سکتی۔ میں وعدہ خلافی نہیں کر سکتی۔" انہوں نے دوٹوک تحکم بھرے لہجے میں کہا تھا۔ لالہ رخسار نے ایک زخمی نظر سے اپنی ماں کے بدصورت چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اس لمحے اسے اپنی ماں کا چہرہ اور بھی بگڑا اور بدصورت نظر آیا۔ یوں کہ اس کا دل بری طرح سے جلا گیا تھا اور وہ کسی بپھرے ہوئے طوفان کی طرح اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"اماں جی! تم سب جانتے بوجھتے میری رگوں میں زہر اتارنا چاہتی ہو مگر میں اپنی زندگی کو تمہارے نام نہاد بزرگوں کی غلط رسومات کی بھینٹ نہیں چڑھاؤں گی۔" وہ ان کی اجازت کے بغیر پہلی مرتبہ تیز قدموں سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔ اور یہ لالہ رخسار کی طرف سے کھلا بغاوت کا اعلان تھا۔

"تو کچھ نہیں کر پائے گی۔ میری اجازت کے بغیر حیام سانس بھی نہیں لیتا۔ بھلا تیرے ان عملیات کا کتنی دیر تک اثر رہے گا؟ ایک بات تو طے ہے۔ پیر ذاکر کی بیٹی کے بالوں میں سفیدی اتار کر ہی دم لوں گی۔ اس کے ہاتھ پر بھی کبھی مہندی کا رنگ نہیں رچے گا' کبھی چوڑی اور پازیب کی آواز نہیں آئے گی۔ کبھی بار سنگھار اور خوشبو کی باس نہیں اٹھے گی' اس کا وجود قبرستان نہ بنادیا تو میرا نام توقیر بیگم نہیں۔"

انہوں نے حقارت سے سوچا تھا اور پھر جائے نماز بچھا کر عبادت میں مشغول ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

توقیر بیگم نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ اس کے سارے عمل اور ٹونے بیکار گئے تھے اور گھر میں رخشندہ کی ڈولی اتر آئی تھی۔ لالہ رخسار کے اندر گویا آگ کے بھابھڑ جل اٹھے تھے۔ یہ شکست نہیں تھی۔ اور نہ ہی وہ ہار' جیت کے معنوں میں الجھنا چاہتی تھی۔ وہ تو صرف اتنا جانتی تھی کہ رخشندہ کے آجانے سے اس پر زندگی کے دروازے بند ہوگئے ہیں۔ اب کوئی بھی امید باقی نہیں بچی تھی۔ آگے کھائی اور پیچھے کنواں تھا۔ وہ بھلا جاتی بھی تو کہاں۔

مگر ہمت ہار کر بیٹھنا اسے گوارا نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی اگر اس نے ہمت ہار دی تو ہمیشہ کے لیے ایک قبر میں قید ہو جائے گی۔

مگر مسئلہ تو اس عورت کا تھا جو اپنے جیتے جاگتے وجود کے ساتھ ایک حقیقت بنی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس عورت کو بھلا راستے سے کیسے ہٹایا جاسکتا تھا۔ وہ اسے زہر دے کر مارنا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے رخشندہ کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے سائیں جی کے تعویذوں کو ہتھیار بنایا تھا۔ اسے پوری امید تھی۔ حیام کے ایب نارمل رویے اسے خندہ کو

حالت میں چلتے بولتے دیکھ کر اور کتنا صبر کرکے رخشندہ اس گھر میں بیٹھے گی۔ وہ چاہتی تھی کہ حیام کے رویے سے رخشندہ خوف زدہ ہو کر خود ہی واپسی کی راہ پکڑے۔ اور لالہ' رخشندہ کو خوف زدہ کرنے کے لیے ہر روز ایک نئے طریقے سے اس کے سامنے آتی تھی۔ اور سائیں جی کے اس "عمل" کو مہینے میں دو مرتبہ دوہرانے لگی تھی تاکہ رخشندہ جلد از جلد یہاں سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جائے۔ وہ حیام کو پاگل اور نیم دیوانہ سمجھ لے جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر چلتا تھا' بولتا تھا۔ وہ اسے مخبوط الحواس سمجھ لے۔ مگر اس کی ساری کوششیں اس وقت بیکار ہو گئی تھیں جب اس نے رخشندہ کو موبائل فون پر بات کرتے سن لیا۔

"وہ حیام کو چھوڑنے کے بجائے اس کے علاج کے لیے فکر مند تھی۔ اور وہ سمجھتی تھی کہ حیام کو کسی نفسیاتی ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لیے رخشندہ نے کسی زرگون غنی کو گھر بلایا تھا۔ لالہ رخسار کی ساری تدبیریں الٹ رہی تھیں۔

اس نے ایک دفعہ پھر سفلی عملیات کا سہارا لیا تھا۔ وہ رات رات بھر چلے کاٹنے لگی تھی۔ وہ حیام کے نام کا جھنا ورد کر رہی تھی۔ وہ اتنا ہی لالہ کی حدود اور کھینچے گئے دائرے سے باہر نکل رہا تھا۔ رخشندہ کا یقین اور محبت اپنا اثر کر رہی تھی اور توقیر بیگم بھی اس کے جادو کا توڑ کرنے کے لیے قرآنی آیات پڑھتی رہتی تھیں وہ یہ ساری ریاضت نہ تو رخشندہ کی ہمدردی میں کر رہی ہیں اور نہ حیام کی محبت میں۔ وہ تو صرف لالہ رخسار کا یقین توڑنا چاہتی تھیں۔

"وہ لالہ رخسار کے اندر سے ہر جذبے' امنگ' خواب اور خواہش کو جڑ سے اکھاڑ دینا چاہتی تھیں۔ وہ دراصل لالہ رخسار کو اپنے جیسی زندگی ——— بخشنا چاہتی تھیں۔

پھر ایک دن کیا ہوا۔ لالہ رخسار کو جیتنے کا ایک موقع مل گیا۔ زرگون غنی کی صورت میں جسے ——— رخشندہ نے گھر بلایا تھا۔ لالہ کا خیال یہی تھا۔ وہ غنی سے اپنے لیے یا حیام کے لیے دوا وغیرہ لے گی۔

لالہ کے ذہن نے تیزی سے منصوبہ بنالیا تھا۔ اس نے صدیقہ کو اپنا ہمنوا بنا کر کمرے کے دروازے بند کر کے مین سوئچ آف کروادیا۔

حیام کے آنے کا وقت قریب تھا اور لالہ حیام کے آنے سے پہلے پہلے توقیر بیگم کو ایک من گھڑت داستان سنا کر انہیں مشتعل کر چکی تھی۔ کمرے میں بند غنی اور رخشندہ کو دیکھ کر مزید بھلا کسی ثبوت کی ضرورت تھی؟ حیام اور توقیر بیگم دونوں رخشندہ سے بدگمان ہو چکے تھے۔ اور دونوں ہی اسے گھر سے نکالنے کے بعد مطمئن تھے۔ دونوں ہی اپنے اپنے حجروں میں بند تھے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔

لالہ کی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ رخشندہ اس کے راستے سے ہٹ گئی تھی۔ اب تو صرف حیام تک پہنچنا تھا۔ اور یہ بھلا کیسے ہوگا؟ یہ سوچنا ابھی باقی تھا۔ منزل بہت قریب تھی اور لالہ کا خیال تھا وہ سائیں جی سے کہہ کر اپنا اور حیام کا نکاح چھپ کر پڑھوائے گی اور وہ دونوں یہ حویلی چھوڑ کر چلے جائیں گے مگر لالہ رخسار یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی ساری تدبیروں پر "تقدیر" حاوی ہو جائے گی۔ تقدیر جو اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے جو اٹل ہوتی ہے۔

رخشندہ حیام پھر سے آگئی تھی۔ حیام اسے لے آیا تھا۔ کیوں؟ کیسے؟ کس طرح؟ وہ گویا پاگل ہو کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"تم آگئی ہو؟" لالہ کا لہجہ بکھرا بکھرا تھا۔ گویا اس نے اپنی ہار تسلیم کرلی تھی۔ وہ رخشندہ حیام کے آگے گھٹنے ٹیک گئی تھی۔

"ہاں!" آج کی رخشندہ کل کی رخشندہ سے بہت مختلف تھی۔ بااعتماد' پر اعتماد' مضبوط۔ اپنے پیروں پر مضبوطی سے کھڑی ہوئی۔ یہ اعتماد' یہ مضبوطی' حیام کی بخشی ہوئی تھی۔

"اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہوں۔ وہ مجھے لے کر آئے ہیں۔ تمہارا پلان ناکام ہو گیا۔ تمہارے لگائے گئے الزام غلط ثابت ہو گئے۔ انہوں نے مجھ پر لگائے

الزام، بہتان کی معافی مانگ لی تھی۔ وہ غلط فہمی کا شکار ہوگئے تھے۔ وہ شرمندہ تھے پچھتا رہے تھے اور میں نے انہیں معاف کردیا۔ مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ بھلا میں اپنے گھر سے نکل کر کہاں جاتی؟ میرے دل میں حیام کے لیے بہت محبت تھی۔ اس محبت نے مجھے کسی اور طرف بھٹکنے نہیں دیا تھا۔" وہ بہت دھیمی آواز میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ بہت صبر اور حوصلے کے ساتھ۔

"محبت!" لالہ نے ویران ویران نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں، محبت!" رخشندہ کا لہجہ بلا کا ٹھہرا ہوا رواں تھا۔ "وہ محبت جو مجھے حیام سے ہے۔ وہ محبت جو حیام کو مجھ سے ہے۔ اور وہ محبت جو تمہیں نہ حیام سے ہے اور نہ کسی اور سے۔" وہ بہت تول تول کر اور سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔ لالہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

"تم نے سچ کہا۔ مجھے حیام سے محبت نہیں۔" وہ جو گھٹ تھامے تھامے ویران ویران سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"تمہیں واقعی حیام سے محبت نہیں تھی لالہ! اگر تمہارے جذبے بے کھوٹ ہوتے۔ نیت خالص ہوتی تو حیام تمہیں مل ہی جاتا۔ وہ تم سے محبت بھی کرلیتا۔ اس نے تمہیں اپنا بھی لینا تھا۔ دراصل تم نے دل میں محبت کو نہیں صرف غرض کو جگہ دی۔ تم نے اپنے حصے کی "خوشی" چھیننے کے لیے غلط راستے اختیار کرلیے۔ تمہاری خواہش غلط نہیں تھی۔ خواب غلط نہیں تھے۔ وہ راہ غلط تھی جس پر تم بغیر سوچے سمجھے چل پڑیں۔ سائیں جی کی جھونپڑی تک جانے والا راستہ دراصل گمراہی کا راستہ تھا۔ جادو ٹونے، عملیات اور گرہوں میں پھونکیں مارنا، یہ بدترین کبیرہ گناہ ہے۔ ہم دوسروں کو تکلیف دینے اور اجاڑنے کی کوشش میں خود پر ظلم کرتے ہیں ہم صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔ مگر اللہ نے پھر بھی تم پر اپنا کرم کیا۔ اپنا انعام کیا۔ اپنی رحمت کا سایہ نہیں ہٹایا۔ میں واپس آئی ہوں تمہارے لیے خوشی کا سندیسہ لے کر۔ خوش خبری لے کر۔

اس وقت جب میں اس گھر سے ننگے سر اور ننگے پاؤں حویلی سے نکل رہی تھی۔ تب میں نے آخری دفعہ اس حویلی کی بالائی منزل پر تمہیں کھڑا دیکھا تھا اور میرے ساتھ زرگون غنی نے بھی تمہیں دیکھ لیا۔ اور اس کا ایک نظر دیکھنا تمہارے لیے خوشی کی کہکشاں اتار گیا تھا۔ اس نے تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی چن لیا ہے۔ پسند کرلیا ہے۔ تمہیں زندگی کی حقیقی خوشیوں سے سرفراز کرنے کا میں نے خود سے وعدہ کرر کھا تھا۔ اب یہ عہد میں نے حیام کے سپرد کردیا ہے۔ اب یہ حیام کی ہمت پر منحصر ہے کہ وہ توقیر بیگم سے کس طرح یہ جنگ جیتے گا۔ کیونکہ حیام یہ چاہتا ہے۔ اس گھر میں پیدا ہونے والی کسی بھی بچی کو ایک زندان نہ دیا جائے بلکہ اسے قانون فطرت کے تحت وہ سب کچھ دیا جائے جسے اللہ پاک نے اس کے لیے حلال اور جائز قرار دیا ہے۔

میں اور حیام تمہارا زرگون غنی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بہت اچھا ہے لالہ! بہت زندہ دل، وہ تمہیں ایک اور دنیا میں لے جائے گا۔ جہاں صرف خوشیاں ہوں گی، روشنیاں ہوں گی، ستارے ہوں گے۔ تمہاری مردہ سوچ اور گھٹن کو تازگی میں بدل دے گا۔ وہ تمہیں اس قید خانے سے نجات دے گا۔ ایسا قید خانہ جس کو تمہاری غیر حقیقی ماں نے تمہارے لیے بنا رکھا ہے۔ تم ہر زنجیر سے آزاد ہو جاؤ گی۔"

رخشندہ پھوٹ پھوٹ کر روتی لالہ کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس نے لالہ کے حسین چہرے پر پھیلے آنسوؤں کو پونچھا اور مسکرادی۔

"یقین کرو، گلاب، شبنم اور اوس میں بھیگ کر تمہارے چہرے کی طرح کا ہو جاتا ہے۔"

"میں مجھے معاف کردو رخشندہ میں بہت بری ہوں، بہت گناہ گار ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ مجھے معاف کردو رخشندہ! میں نے اپنے لیے دوزخ خریدلی۔ میں سفلی عملیات کے پیچھے بھاگتی رہی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر جس کے قبضہ قدرت میں ہر ایک ذی نفس کی جان ہے۔ بھلا اس کے حکم کے بغیر یہ جادو اور عمل اپنا اثر دکھا سکتے تھے۔ میں بھی بھٹک بھٹک کر اسی پاک ذات کی طرف لوٹی تھی۔ مجھے اپنے اللہ کی طرف ہی لوٹنا تھا۔ اور پچھلے پہر کی خاموشی میں میرے ندامت میں بہنے والے آنسو اسے اتنے پسند آئے کہ میرے اللہ نے مجھے معاف کردیا۔ مجھے نواز دیا۔ مجھے زندگی بخش دی۔"

لالہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"مجھے معاف کردو رخشندہ! میں نے تمہارے لیے برا سوچا مگر تم نے میرے۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ رخشندہ کے پیروں پر رکھ دیے۔

"میں نے کسی کے لیے کچھ نہیں کیا۔ میں نے یہ سب اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے۔ پلیز! مجھے گناہ گار نہ کرو۔ اور اپنے ان آنسوؤں کو پونچھ لو۔ بہت رو لیا ہے۔" رخشندہ نے اس کے آنسو پونچھ کر بازوؤں سے اٹھا کر گلے لگا لیا تھا۔ اور وہ اشک ندامت بہاتے بہاتے نم آنکھوں سے مسکرادی۔

☼ ☼ ☼

توقیر بیگم کے فیصلوں سے ٹکرانا اتنا آسان نہیں تھا مگر پہل تو اسی وقت ہوگئی تھی جب حیام، رخشندہ کو ان کے منع کرنے اور حکم دینے کے باوجود لے آیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا۔ رخشندہ اس گھر میں نہیں آسکتی۔ مگر حیام رخشندہ کو لے آیا تھا۔ گھر میں ایک سرد جنگ کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا۔

رخشندہ کا اس گھر میں دوبارہ آنا بھی کسی طور ممکن نہیں تھا۔ حیام اس سے نفرت کی حد تک بدگمان ہوچکا تھا۔ وہ اس کی صورت تک بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس شب حیام نے صدیقہ اور توقیر بیگم کی کچھ باتیں سن لی تھیں۔ صدیقہ، توقیر بیگم کو بتا رہی تھی۔ اور حیام سن سانس کے سامنے جارہا تھا۔

"اماں جی! لالہ بی بی نے رخشندہ بی بی کو تو راستے سے ہٹا دیا ہے۔ اب وہ حیام پیر کو نکاح کا پیغام بھجوا رہی ہیں۔ اگر میں نے بات آگے نہ پہنچائی تو وہ خود کرلیں گی ان سے بات۔"

صدیقہ نے وہ تمام منصوبہ بھی دہرا دیا تھا جو لالہ اور توقیر بیگم نے رخشندہ کو منظر سے ہٹانے کے لیے بنایا تھا۔ حیام تو گویا ششدر رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اماں جی اور لالہ اس قدر گھٹیا منصوبہ بنا کر رخشندہ کو گھر بدر کروادیں گی۔

ایک وہ عورت تھی جو حیام کی ماں کی جگہ تھی اور دوسری اس خاندان کی آخری گدی نشین تھی۔ جس کے بارے میں توقیر بیگم نے اسے بتا رکھا تھا کہ لالہ کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس خاندان کا اصول تھا کہ جس آدمی کی اولاد نرینہ نہ ہوتی۔ اس کی بیٹی کو گدی کا وارث بنا دیا جاتا تھا۔

لالہ کی بغاوت کو توقیر بیگم کسی خاطر میں نہیں لا رہی تھیں۔ مگر رخشندہ نے جب آواز بلند کی تو ان کو ٹھٹکنا اور سوچنا پڑا۔ دراصل رخشندہ کی بغاوت سے وہ خوف زدہ ہوگئی تھیں۔ اور وہ کسی نہ کسی طریقے سے اسے گھر سے نکال دینا چاہتی تھیں اور یہ موقع انہیں جلد ہی میسر آگیا تھا۔ اپنے تئیں انہوں نے رخشندہ کو رنگے ہاتھوں غنی کے ساتھ پکڑا تھا۔ سو وہ پر یقین تھیں کہ حیام اتنا بے غیرت نہیں ہو سکتا کہ رخشندہ کو واپس لے آئے۔

مگر انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ حیام ساری حقیقت سے واقف ہو جائے گا اور رخشندہ ایک دفعہ پھر ان کے سامنے کھڑی تھی۔ بے خوف، نڈر اور پر اعتماد۔ یوں کہ توقیر بیگم آگ کی طرح بھڑک اٹھیں۔

"کیوں آئی ہو یہاں نیچ ذات کی عورت۔"

"خود نہیں آئی۔ آپ کا بیٹا لے کر آیا ہے۔" وہ بھی سخت کھلے لہجے میں بولی۔ "میں اس گھر سے کبھی نہ جانے کے لیے آئی ہوں۔ ایک بات تو آپ کی نظر میں واضح ہو چکی ہوگی کہ سچ ہمیشہ مکمل کر سامنے آجاتا ہے۔ جیسے میری بے گناہی حیام کی نظر میں ثابت ہوگئی۔" وہ کھرے کاٹ دار طنزیہ لہجے میں دھاڑی۔

"کیا کرنے آئی ہے تو میرے کمرے میں؟" ان کے

سر خ ڈ یلے باہر ابلنے کو بے تاب تھے۔

”صرف یہ بتانے کہ لالہ رخسار کا ماہر سائیکاٹرسٹ زرگون غنی سے جمعہ کی شام کو نکاح ہے۔ اگر آپ شرکت کرنا چاہتی ہیں تو موسٹ ویلکم اگر نہیں آئیں گی تو پھر بھی یہ نکاح ہو کر رہے گا۔“ اس نے گویا توقیر بیگم کے سر پر بم بلاسٹ کر دیا تھا۔

”ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ تو ہمارے رواجوں اور رسموں کو توڑے گی۔ میں تیری بوٹیاں نوچ لوں گی بدبخت عورت! تو کون ہوتی ہے میری بیٹی کے فیصلے کرنے والی۔“ غصے اور تنفر کی وجہ سے ان کا دماغ گھوم رہا تھا۔ فشار خون بلند ہو جانے کی وجہ سے ان کی کنپٹیاں پھڑک رہی تھیں۔ ”وہ سنگھار کرے گی ہرگز نہیں۔“

”مت ظلم کریں۔ توقیر بیگم! اپنی زندگی اور نصیب کے لکھے عذاب لالہ کی جھولی میں مت ڈالیں۔ وہ آپ کی نہ سہی، آپ کے شوہر کی تو اولاد ہے نا۔ پر آپ نے اس پر ظلم کیا۔ اسے زندان میں قید کر لیا۔ آپ کے اختیار میں سب کچھ تھا مگر آپ نے اسے نہ تعلیم دی نہ اچھی زندگی دی نہ خوشی دی۔ نہ مرضی سے سانس لینے دیا۔ آپ نے اس کے اندر گھٹن بھر دی تھی۔ اور لالہ رخسار نے اس گھٹن سے باہر نکلنے کے لیے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا۔ آپ جانتے بوجھتے اسے گناہ کرتے دیکھتی رہیں۔

وہ تعویذ گنڈوں اور جادو ٹونے کے چکر میں اپنا اصل بھولتی جا رہی تھی۔ آپ نے اسے ذہنی طور پر بیمار کر دیا تھا۔ آپ نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا مجھے اس گھر سے نکالنے کے بعد آپ نے اسے ایک زندان میں ایک کمرے میں قید کر دیا تھا اور وہ وقت دور نہیں تھا۔ جب لالہ پر ہسٹریا کے دورے پڑنے شروع ہو جانے تھے۔ پھر اسے زنجیروں میں باندھ دیا تھا وہ مر جاتی تو آپ کی کون سی حس کو سکون میسر آنا تھا توقیر بیگم! اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ پیر ذاکر کی محبوب بیوی فیروزہ کی اولاد تھی۔ وہ آپ کے بطن سے پیدا نہیں ہوئی تھی اس لیے؟“ رخشندہ کے زہر میں بجھے لفظوں نے توقیر بیگم کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ہاتھ میں آئینہ پکڑ کر لرزتی تھی۔ اس آئینے میں توقیر بیگم کی شکل اور بھی کریہہ نظر آ رہی تھی۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چلانے لگی تھیں۔ سچ کھل گیا تھا اور وہ بھی ایک غیر عورت کے سامنے بھلا رخشندہ کو ان کے ماضی کے بارے میں کیسے خبر ہوئی؟ اس سوچ نے انہیں نیم جاں کر دیا تھا۔

”آپ نے اپنے حصے کے عذاب اس لیے لالہ رخسار کی جھولی میں ڈال دیے تھے توقیر بیگم کہ آپ خود ایک بیاہتا کنواری تھیں۔ لالہ کے باپ نے آپ کو دھتکارا تھا۔ اس لیے آپ اس کی بیٹی کو زندگی کی ہر رنگینی سے دور کر دینا چاہتی تھیں۔“

رخشندہ نے آخری زہر میں بجھا تیر پھینک کر ان کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔ ادھر توقیر بیگم پر گویا دورے کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ان کے جسم نے پھڑکنا شروع کر دیا تھا اور صدیقہ، رخشندہ کے ہمراہ لالہ رخسار کے لیے سنگھار کا سامان لینے چل دی تھی۔ صدیقہ اس عورت کی چیخوں سے خوف زدہ ہو گئی تھی۔ رخشندہ پر سارے سچ اور حقیقتوں کو کھولنے والی بھی صدیقہ ہی تھی اور اب وہ مزید توقیر بیگم کے گھٹن زدہ کمرے میں نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اور توقیر بیگم تھیں کہ مسلسل چلائے جا رہی تھیں۔

توقیر بیگم اور پیر واثق دو ہی بہن بھائی تھے۔ دونوں پیر عالی حضرت کی سگی بہن کی اولاد تھے۔ توقیر بیگم کا عقد پیر عالی حضرت نے اپنے اکلوتے بیٹے پیر ذاکر سے کر دیا تھا جبکہ پیر ذاکر اپنی خالہ زاد فیروزہ سے محبت کرتے تھے۔ ان دونوں نے چھپ کر شادی کر لی تھی۔ پیر عالی حضرت نے اکلوتے بیٹے کو گھر بدر کر دیا اور توقیر بیگم کے حوالے گدی کر دی۔ توقیر بیگم رخصتی کے انتظار میں عمر عزیز کے مزید دس سال بھی لٹا چکی تھیں جب ایک دن پیر ذاکر اور فیروزہ کی میتیں آ گئیں۔

ان کے مر جانے کے بعد توقیر بیگم پر بیوگی کا لیبل لگا کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ ان کا کام صرف ذاکر اور فیروزہ کی بیٹی کا خیال رکھنا تھا۔ جس کی صورت میں وہ اپنی سوکن کا چہرہ دیکھ دیکھ کر سلگتی رہتی تھیں

جو نفرت حقارت انہیں پیر ذاکر کی طرف سے ملی تھی۔ وہ توقیر بیگم بھلا نہیں سکتی تھیں۔ پیر ذاکر نے انہیں ان کی بدصورتی کی وجہ سے مسترد کیا تھا اور توقیر بیگم کو فیروزہ کی بیٹی کے حسن سے نفرت تھی۔

اس دن ان کا پورا وجود زہر زہر ہو گیا تھا جب لالہ نے اپنے منہ سے حیام کے ساتھ شادی کی بات کی تھی۔ بھلا وہ اپنے بھتیجے کا اس ڈائن کی بیٹی سے نکاح کر سکتی تھیں۔ جو ان کا سہاگ کھا گئی اور وہ سہاگ کا جوڑا اور چوڑیاں بن پہنے ہی جلا کر اور توڑ کر حجرہ نشین ہو گئیں تب انہوں نے ”آنا“ ”فانا“ ایک متوسط گھرانے کی لڑکی سے حیام کو بیاہ دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ لالہ کے حسن سے متاثر ہو کر ایک دن حیام ان کے سامنے تن کر کھڑا ہو جائے۔

لالہ کے سارے ٹونے بے کار گئے تھے۔ وہ لالہ کو پوری طرح سے ہرا چکی تھیں۔ جب حیام کی دلہن ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ کمرو لے بھی اپنی راہ سے ہٹا کر فارغ کر چکی تھیں اگر حیام اسے پھر سے نہ لے آتا وہ ایک دفعہ پھر ان کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر انہیں آئینہ دکھا رہی تھی۔ اور اس کے لفظوں کے کوڑوں نے توقیر بیگم کو لہولہان کر دیا۔

”آپ اگر چاہتیں تو اپنے حصے میں آیا دیا جلا کر اپنے نام اور اپنے وجود کو امر کر سکتی تھیں۔ خود کو آنے والی نسلوں کے لیے یادگار بنا دیتیں مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اپنی خوشیاں حاصل نہ کر سکیں مگر کسی کے خواب نوچنے کا بھی کوئی حق نہیں تھا آپ کو توقیر بیگم! میں نے اپنے حصے کی مشعل روشن کر دی ہے۔ میرا دل مطمئن ہے، میرا ضمیر مطمئن ہے۔“ رخشندہ کے لفظوں کے کوڑے ہر روز ان کے دماغ پر برستے رہتے تھے اور وہ ان لفظوں کے زہر سے نیل نیل ہو جاتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

جمعہ کی شب لالہ اور غنی کا نکاح ہو گیا تھا۔ اسے شہر کی مشہور ماہر بیوٹیشن نے سجایا سنوارا تھا۔ وہ بیاہ کر تو شاید بھابھی کے گھر گئی تھی۔ وہ ان زنجیروں کی قید سے آزاد ہو گئی تھی۔ بستر پر پڑی توقیر بیگم نے خوب چلا چلا کر واویلا کیا تھا مگر ان کی چیخوں پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔ لالہ اور غنی کچھ عرصے بعد آئرلینڈ چلے گئے تھے۔ بھیا اور بھابھی بھی لائبہ کے پاس یورپ چلے گئے۔ یہاں ان کا دل نہیں لگتا تھا وہ چھ ماہ غنی اور لالہ کے پاس اور چھ ماہ لائبہ کے گھر رہتے تھے بھابھی کے سیاحت کے شوق بھی خوب پورے ہو رہے تھے۔

اور رہی رخشندہ تو اس نے حیام کے مجبور کرنے اور بہت دفعہ اصرار پر بھی اس حویلی کو نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے اس حویلی کو نئے سرے سے سجایا اور سنوارا تھا۔ رخشندہ نے اپنی خدمت گزار صدیقہ کی تین بچوں کے باپ سے شادی کر دی تھی۔ اس حویلی کی دیواروں سے اب کسی کی سسکیاں سنائی نہیں دیتی تھیں اب ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں آتی تھیں وسیع و عریض باغ میں رخشندہ اور حیام کے بچے کھیلتے تھے۔ توقیر بیگم کے پاس صرف پچھتاوے تھے۔

”تم نے سچ کہا تھا رخشندہ میں نے اپنے حصے کا دیا نفرت، حسد، بغض کی نظر کر دیا تھا آج اسی لیے خود بھی اندھیروں میں گم ہوں۔ اگر شمع بن کر جل جاتی تو لالہ رخسار کو روشنی کی تلاش میں سائیں جی جیسے جادوگر کی جھونپڑی میں دھکے کھانا تو نہ پڑتے انسان کو تو صرف اپنے حصے میں آئی نیکی کرنا ہوتی ہے۔ لالہ کی قسمت میں خوشیاں تھیں۔ اسے مل گئیں۔ مجھے نیکی کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے گنوا دیا وہ سوچتی رہ جاتی تھیں۔

لالہ اور غنی اپنی چھوٹی سی جنت میں مگن تھے۔ کبھی کبھی چھٹیوں میں واپس حویلی آتے تو گویا۔ ہر سو قہقہے اور ہنسی بکھر جاتی تھی اور رخشندہ اپنے ہرے بھرے باغ کی ہر شاخ پر جھولتی تتلی کو دیکھ کر دل ہی دل میں سجدہ شکر بجا لاتی تھی۔

اس نے ایک سانس لیتے اشکوں سے بھرے ”وجود“ کو سالوں پرانی ”رسموں“ فرسودہ رواجوں اور دیمک زدہ اصولوں کی بھینٹ چڑھنے سے بچا لیا تھا۔

☆